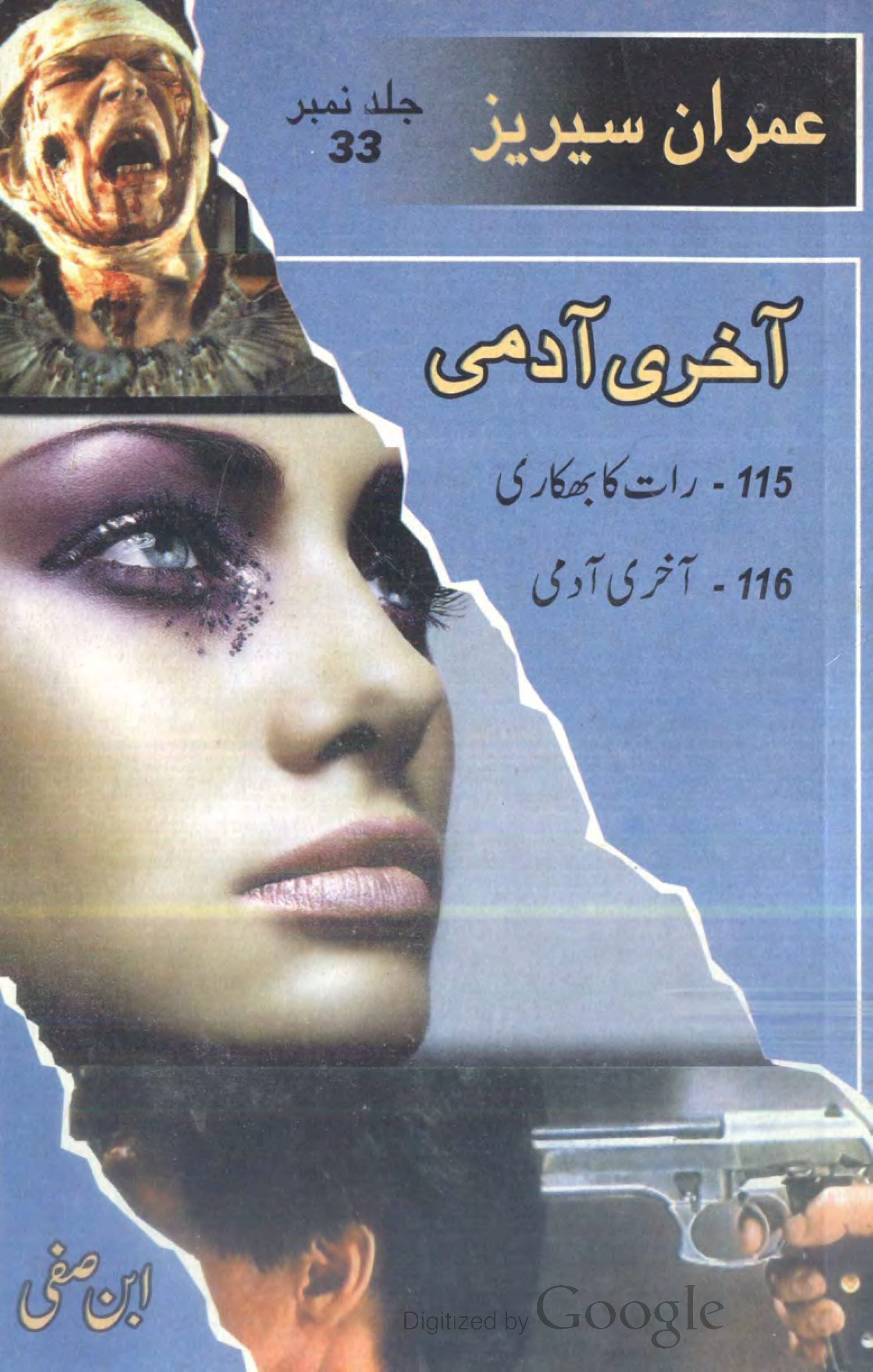

عمران سیریز

جلد نمبر
33

آخری آدمی

115 - رات کا بھکاری
116 - آخری آدمی

ابن صفی

پیشرس

"رات کا بھکاری" ملاحظہ فرمایئے۔ میں ابھی تک پوری طرح صحت یاب نہیں ہوا ہوں۔ لیکن بہر حال اللہ کا کرم ہے کہ کسی قدر آپ کی خدمت کے قابل ہو سکا ہوں۔ "رات کا بھکاری" ایک بالکل نئے انداز کی کہانی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اسے پسند فرمائیں گے۔

میں ان تمام پڑھنے والوں کا شکر گزار ہوں جو خطوط لکھ کر میری خیریت دریافت کرتے رہتے ہیں۔ فرداً فرداً جواب لکھنے کی سکت تو میں خود میں نہیں پاتا لیکن میری یہ درخواست برابر جاری رہے گی کہ مجھے اپنی دعاؤں میں برابر یاد رکھئے علاج مسلسل جاری ہے لیکن صحت کلی اللہ پاک کے اختیار میں ہے۔

ایک بھائی نے پوچھا ہے کہ جب ابھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو آپ لکھ کیوں رہے ہیں۔ جب تک بالکل صحت یاب نہ ہو جائیں ہر گز نہ لکھیں۔

کیا عرض کروں بھائی اس احساس سے پیچھا چھڑانے کے لئے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں کہ بیمار ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ جس قدر بھی صحت مجھے ہوئی ہے اُس میں اسی رویئے کو دخل ہے۔

پچھلی کتاب "خطرناک انگلیاں" کی پسندیدگی کا شکریہ بھی مجھے ضرور ادا کرنا چاہیئے۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وقفہ طویل ہو جانے کی بناء پر آپ کہانی میں کوئی جھول نہ محسوس کر لیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ کسی نے بھی اس قسم کی کوئی شکائت نہین کی۔ صرف ایک خط ایسا ملا ہے جس میں مجھے مشورہ دیا گیا ہے کہ اب کوئی اور پیشہ اختیار کر لوں۔ اُن صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اُسے وہ تنقید قرار دیتے ہیں۔ ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ کسی چیز کو اچھا یا بُرا کہہ دینا تنقید نہیں ہے۔ تنقید کے لئے ضروری ہے کہ پسندیدگی یا ناپسندیدگی کے اسباب سے باقاعدہ بحث کی جائے۔ آپ مجھے لکھئے کہ کتاب آپ کو کیوں پسند نہیں آئی۔ کہانی میں کیا خامی تھی۔

کچھ بھائیوں نے فرمائش کی ہے کہ آپ پھر ایک سلسلہ فریدی اور حمید کا لکھ ڈالوں۔ میں اُن کی خواہش ضرور پوری کروں گا۔ مگر ابھی نہیں۔ ذرا کچھ اور ذہنی توانائی حاصل کر لینے دیجئے۔ دراصل فریدی پر مجھے بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ بہر حال دعا فرمایئے کہ جلد پوری طرح آپ کی خدمت کے قابل ہو جاؤں۔

والسلام

ابن صفی

◆

جوزف کی حالت ابتر تھی۔ شراب بندی کے بعد اس نے سلیمان کی وساطت سے چرس کی عادت ڈالی تھی۔ لیکن عمران نے اس کا یومیہ جیب خرچ بند کر دیا تھا۔ محض اسی لئے کہ آسمان سے گرا ہوا کھجور میں نہ آٹکے۔

اس وقت تو جوزف باقاعدہ ٹسوے بہا رہا تھا اور سلیمان اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچا چبا جائیگا۔

”ابے لمڈھیگ شرم نہیں آتی تجھے اس طرح روتے ہوئے۔!“ سلیمان بالآخر جھلا کر بولا۔

”کیا کرے.... امارا کچھ سمجھ میں نہیں آتا....!“ جوزف بمشکل کہہ سکا۔

”تو میں اپنی جیب سے پلانے سے رہا۔ میری اپنی ہی گذر بسر اتنے پیسوں میں نہیں ہوتی۔!“

”ہم کیا کرے بھائی....!“

”بھیک مانگا کر.... یہ خدار سیدوں کا نشہ ہے۔ بہتیرے اس کے لئے بھیک بھی مانگتے ہیں۔!“ سلیمان نے کہا۔

”بھیک کیسے مانگے.... باس کیا بولے گا۔!“

”باس کو پتہ چلے گا تو بولے گا نا....!“ سلیمان برا سا منہ بنا کر بولا۔ ”یہ تو ہر معاملے میں باس باس کیوں کرنے لگتا ہے۔ باس کو رحم آیا تھا تجھ پر....؟“

”چپ راؤ.. چپ راؤ... باس کو ٹم کچھ نہیں کہے گا۔ وہ جو کچھ کرتا ٹھیک کرتا.. ہم سالا بدنصیب!“

”بس تو پھر سر پھوڑا کر میری بلا سے....!“

”نائیں بھائی سلیمان.... کوئی ٹرکیب....!“

”ترکیب بتائی تو ہے۔ مگر تیرے پلے ہی نہیں پڑتی۔!“

”کیسے مانگے کا بھیک....!“

”میں آوازیں لگا کر بتاتا ہوں.... ان میں سے جو بھی پسند آئے اس کی پریکٹس کر ڈال۔!“

پھر سلیمان طرح طرح کی صدائیں لگاتا رہا تھا اور جوزف اس طرح منہ بنائے بیٹھا تھا جیسے اُس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آ رہا ہو۔

”ابے آواز میں آواز ملاتا چل....!“ سلیمان جھلا کر بولا۔

”نائیں بنے گا.... ڈیئر....!“ جوزف نے گلوگیر آواز میں کہا۔

”بس تو پھر جھک مارتا رہ....!“ سلیمان جھلا کر بولا اور جوزف سسکیاں لینے لگا۔

رات کے گیارہ بجے تھے۔ عمران گھر پر موجود نہیں تھا اور گلرخ بے خبر سو رہی تھی۔

سلیمان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اچھا دیکھ اس طرح کر سکتا ہے۔!“

جوزف پوری طرح اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سلیمان نے آنکھیں بند کر لیں اور داہنا ہاتھ آگے پھیلاتا ہوا بولا۔ ”بھیں....!“

جوزف نے غیر ارادی طور پر اس کی نقل اتاری اور خوش ہو کر بولا۔ ”بن گیا بن گیا....!“

”بھیں.... ایک بار پھر....!“ سلیمان نے کہا۔

”ٹھیک ہے.... ابھی چل میرے ساتھ....!“ سلیمان نے کہا۔ ”لیکن یہ پتلون قمیض اتار دے۔ میں اپنا ایک پرانا شلوار سوٹ نکالتا ہوں۔!“

”ٹیرا سوٹ چھوٹا ہو گا۔!“ جوزف بولا۔

”ابے تبھی تو بھیک منگا معلوم ہو گا۔ مگر بیٹا.... ایک بات پہلے سے طے ہونی چاہئے۔!“

”کیا باٹ.... بولو.... بولو....!“

”میرے کمیشن کا کیا رہے گا۔!“

”جو بولے گا....!“ جوزف نے جلدی سے کہا۔

”ففٹی.... ففٹی.... اور میں تو تیرے ساتھ ہی رہوں گا۔ تجھ سے کچھ فاصلے پر رہ کر تیری نگرانی کیا کروں گا۔ آخر میری محنت بھی تو اس میں شامل ہو گی۔!“

”ہاں.... ہاں....!“ جوزف جلدی سے بولا۔ ”ففٹی.... ففٹی....!“

”اچھی بات ہے تو پھر سوٹ نکال کر لاتا ہوں۔!“ سلیمان نے کہا اور جوزف کے کمرے سے

نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنا پھٹا پرانا شلوار سوٹ لئے ہوئے پھر وہاں پہنچ گیا تھا۔

”جلدی سے پہن لے.... صاحب ٹوسیٹر نہیں لے گئے۔ بس ابھی چلتے ہیں۔!“ اس نے جوزف سے کہا۔

وہ پھر کمرے سے باہر آکر دروازے کے قریب ہی رک گیا تاکہ جوزف لباس تبدیل کر سکے۔

جوزف نے تھوڑی دیر بعد اُسے آواز دی وہ کمرے میں پہنچا اور جوزف پر نظر پڑتے ہی اُسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔ شلوار کے پائنچے گھٹنوں سے ذرا ہی نیچے تھے اور قمیض کے کف کہنیوں تک پہنچ گئے تھے۔

”کیوں ہانستا....!“ جوزف جھینپ کر بولا۔

”ہنستا نہیں.... خوش ہو رہا ہوں کہ اب تجھے شائد صاحب بھی نہ پہچان سکیں۔!“

”یہ تو اچھا بات....!“ جوزف نے بھی خوشی ظاہر کی۔

تھوڑی دیر بعد دونوں ٹوسیٹر میں بندرگاہ کی جانب چلے جا رہے تھے۔ سلیمان فلیٹ کا دروازہ مقفل کر آیا تھا۔ ایک کنجی عمران کے پاس رہتی ہی تھی لہٰذا اسے اطمینان تھا کہ اگر عمران کی واپسی ہو بھی گئی تو اُسے فلیٹ میں داخل ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

”دیکھ.... بندرگاہ کے علاقے میں ایک ہوٹل ہے۔“ سلیمان نے کہا۔ ”وہاں زیادہ تر غیر ملکی ملاح بیٹھتے ہیں۔ اس لئے تو گھنٹے دو گھنٹے ہی میں بہت کچھ کما لے گا۔!“

”ہوٹل کا اندر....!“ جوزف نے پوچھا۔

”ابے نہیں باہر ہی.... ایک خاص جگہ تجھے کھڑا کر دوں گا۔!“

”اچھا.... اچھا....!“ جوزف سر ہلا کر رہ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اُس علاقے میں پہنچ گئے جسکا ذکر سلیمان نے کیا تھا اُس نے گاڑی ایک نیم تاریک جگہ پر روکی اور جوزف سے بولا۔ ”وہ دیکھ وہ رہا ہوٹل سامنے اور وہ بجلی کا کھمبا بھی دیکھ رہا ہے نا....!“

”ہاں.... ہاں.... ڈیکھتا....!“

”بس اُسی کھمبے سے لگ کر کھڑا ہو جا اور جیسے ہی کوئی قریب سے گذرے بھیں کر کے ہاتھ پھیلا دیجو....!“

”اچھا.... اچھا....!“

وہ گاڑی سے اتر کر الیکٹرک پول کے قریب جا کھڑا ہوا۔

پھر جلد ہی وہ گھڑی آگئی کہ سلیمان اُسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہا۔ شائد ہی اُدھر سے کوئی ایسا گذرا ہو جس نے جوزف کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر کچھ نہ کچھ رکھ نہ دیا ہو۔

دو گھنٹے بعد سلیمان اُس کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ ”اب اس طرح میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر چلنا شروع کر دے جیسے سچ مچ اندھا ہو۔!“

جوزف نے فوراً ہی تعمیل کی۔ اس طرح وہ ٹوسیٹر تک پہنچے اور سلیمان چاروں طرف نظر دوڑانے لگا کہ کسی نے انہیں گاڑی تک آتے ہوئے دیکھا تو نہیں۔

”چل بیٹھ جا جلدی سے۔!“ سلیمان نے مطمئن ہو جانے کے بعد جوزف سے کہا۔

ٹوسیٹر تیز رفتاری سے روانہ ہوئی تھی۔ ایک سنسان سڑک پر پہنچ کر سلیمان نے گاڑی روک دی اور جوزف سے بولا۔ ”لا نکال.... دیکھیں کتنی آمدنی ہوئی ہے۔!“

جوزف نے ساری رقم جیب سے نکال کر سلیمان کے ہاتھ پر رکھ دی۔ یہ سارے نوٹ ہی تھے ایک ایک اور پانچ پانچ کے۔

”دو گھنٹے میں پورے ساٹھ روپے!“ سلیمان خوش ہو کر بولا۔ ”تیس تیرے اور تیس میرے۔!“

”ٹھیک ہے۔!“ جوزف کے دانت نکل پڑے۔

”بس اب چل رہے ہیں کرامت کے اڈے کی طرف۔ وہاں سے تجھے چرس مل جائے گی اور کل ٹھیک آٹھ بجے یہاں پہنچ جائیں گے۔ آٹھ سے بارہ تک بزنس ہو گا۔“

”بزنس....!“ جوزف کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ب ہاں.... میں اسے بزنس ہی کہتا ہوں۔ تو اپنی بھیں اُن کے ہاتھ فردخت کرتا ہے۔!“

”بھیں....!“ جوزف کے لہجے کی حیرت بدستور برقرار رہی۔

”ابے ہاں.... انہیں یاد دلاتا ہے کہ دنیا میں سب کچھ ممکن ہے ہو سکتا ہے کچھ دنوں کے بعد وہ خود بھی بھیں بھیں کرنے لگیں۔!“

”اچھا.... اچھا....!“ جوزف سر ہلا کر بولا۔ ”مگر بھیں کا کیا مطلب ہوتا....!“

”بھیں کا مطلب....!“ سلیمان اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”شاید میرا باپ بھی اس بھیں کا مطلب

نہ بتا سکے۔!"

"ٹم سالا اپنا نیشنل لینگویج نہیں جانتا۔۔۔!"

"اچھا بس چپکا بیٹھا رہ" کہہ کر سلیمان نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

◆

قریباً ایک ہفتے سے عمران نے فلیٹ میں قدم نہیں رکھا تھا۔ رانا پیلس میں محکمے سے متعلق سال کے اختتام کا کام ہو رہا تھا۔ بعض معاملات میں اس کے باپ کا محکمہ بھی ملوث رہا تھا۔ اس لئے کبھی کبھی کیپٹن فیاض سے فون پر گفتگو بھی کرنی پڑتی تھی۔

اس وقت بھی یہی کچھ ہوا تھا ایک کیس کے سلسلے میں حوالے کے طور پر فیاض کے فائل سے بھی کچھ مواد حاصل کرنا تھا۔

فون پر اس کے نمبر ڈائیل کیے۔ فیاض اُس کی آواز سنتے ہی بولا۔

"کیوں بھئی کیا بپتا پڑی ہے تم پر۔۔۔۔ مجھے تو بے حد افسوس ہوا تھا۔!"

"کس بات پر افسوس ظاہر کر رہے ہو۔!" عمران نے پوچھا۔

"پہلے تم بتاؤ۔۔۔۔ کیا آج کل فاقوں کی نوبت آ گئی ہے۔!"

"کیوں بے تکی ہانک رہے ہو۔ تم سے ایک ضروری کام ہے۔!" عمران نے کہا۔

"کام کی بات پھر کرنا۔۔۔۔ پہلے یہ بتاؤ کہ آج کل ملازموں سے بھیک کیوں منگوا رہے ہو۔!"

"میں نہیں سمجھا۔۔۔۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔۔۔۔!"

"بندرگاہ کے علاقے کا اسٹار ہوٹل دیکھا ہے۔!" فیاض نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔ کیوں نہیں۔!"

"جوزف اس کے سامنے کھڑا بھیک مانگا کرتا ہے۔!"

"کیوں اڑا رہے ہو۔!"

"رات آٹھ بجے سے بارہ بجے تک جب چاہو جا کر دیکھ لو۔!"

"اگر تم سنجیدہ ہو تو مجھے دیکھنا ہی پڑے گا۔ ویسے کیا تمہیں غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔!"

"سنی سنائی بات نہیں ہے۔ میں نے بچشم خود دیکھا ہے۔!"

"خیر۔۔۔۔۔۔!" عمران بولا۔ "مجھے تمہارے فائل پی سکس سیونٹی نائین سے کچھ مواد چاہیئے۔!

"یار دیکھو۔۔۔۔ تم مجھے اس قسم کی دشواریوں میں نہ ڈالا کرو۔۔۔۔!"

"میں نے تمہارے اُس کیس پر کام کیا تھا۔ یہ کیوں بھول جاتے ہو۔!"

"وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔۔ خیر کل تم لنچ کے بعد آ جاؤ۔۔۔۔!"

"شکریہ۔!" کہہ کر عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے فلیٹ کے نمبر ڈائیل کیے۔ لیکن شائد لائن خراب تھی۔ اس لئے رابطہ قائم نہ ہو سکا۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ رات کے دس بجنے والے تھے۔ اُن نے سوچا کیوں نہ بندرگاہ کے علاقے کے اسٹار ہوٹل ہی کی طرف جائے۔

کئی دنوں سے کاغذی کارروائیوں میں سر کھپاتا رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ بندرگاہ کے علاقے کی سرد ہوا میں کسی قدر تفریح ہی ہو جائے گی اس نے گاڑی نکلوائی اور رانا پیلس سے نکل کھڑا ہوا۔

رات خوشگوار تھی اور شہر کی سڑکوں پر ابھی ٹریفک کے زور و شور کا وہی عالم تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بندرگاہ کے علاقے کے اسٹار ہوٹل کے قریب پہنچ گیا۔ بلاشبہ الیکٹرک پول کے قریب ایک اندھا فقیر ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ لیکن وہ جوزف تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کا ساتن و توش تھا اور نہ اس کی سی رنگت تھی۔ لیکن عمران نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا وہ بھی پیشہ ور بھکاری نہیں معلوم ہوتا۔ اس نے اپنی گاڑی کسی قدر فاصلے پر ایک نیم تاریک گلی میں روکی تھی۔

الیکٹرک پول کے قریب کھڑا ہوا فقیر بنا ہوا اندھا لگتا تھا۔ دفعتاً ہوٹل سے نکلنے والے ایک آدمی نے ایک ہاتھ سے اُسے خیرات دی اور دوسرے ہاتھ سے وہیں سگریٹ کا ایک پیکٹ گراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ فقیر نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا اور تیزی سے جھک کر سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا اور اُسے جیب میں ڈال کر الیکٹرک پول کے پاس سے ہٹنے لگا۔ عمران گاڑی سے اُتر کر ی سے باہر آیا اور خاصے فاصلے سے بھکاری کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ اب اندھوں کی طرح اپنی چھڑی سے راستے کا اندازہ لگاتا ہوا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک ایسے باڑے میں گیا جہاں بے اندازہ کاٹھ کباڑ بکھرا ہوا تھا اور اس باڑے کا احاطہ خاردار تاروں سے کیا گیا تھا۔

اچانک عمران کو ہنسی آ گئی۔ کیا حماقت ہے۔ یہاں سیکڑوں اداکار قسم کے بھکاری دن بھر کمائی کرتے رہتے ہیں۔ آخر وہ اُس کے پیچھے کیوں چل پڑا ہے۔ یقیناً فیاض نے اُسے الو بنانے کی کوشش کی تھی اور وہ سچ مچ بن گیا۔

وہ واپسی کے لئے مڑنے ہی والا تھا کہ اچانک باڑے کے اندر کئی آدمی بھکاری پر ٹوٹ پڑے اور ایک چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔

دور دراز کے الیکٹرک پولز کی روشنی میں باڑے میں بس اسی حد تک اجالا تھا کہ بھکاری اور حملہ آور سب ہیولے سے نظر آرہے تھے۔

عمران ”خبردار خبردار“ کی ہانک لگاتا ہوا باڑے میں داخل ہوا۔ لیکن زمین پر گرے ہوئے ایک آدمی کے علاوہ اور کوئی نہ دکھائی دیا۔

”کیا ہوا.... کیا بات ہے۔!“ عمران اس پر جھکتا ہوا بولا۔ زمین پر پڑے ہوئے آدمی کی شکل صاف نظر نہیں آرہی تھی لیکن اُس کے حلق سے نکلنے والی خرخراہٹ وہ صاف سن رہا تھا۔ پھر اُس آدمی نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

”کک.... کک.... کاؤس.... سر.... خر.... فٹ....!“

اور اس کے بعد عمران پھر کچھ نہیں سن سکا تھا۔ اُس نے جیب سے پنسل ٹارچ نکالی جس کی محدود روشنی دوسرے ہی لمحے میں اجنبی کے چہرے پر پڑی۔ وہ وہی بھکاری تھا جس کا تعاقب کرتا ہوا عمران وہاں تک پہنچا تھا۔ لیکن اب نہ تو وہ عمران کو اپنے بارے میں کچھ بتا سکتا تھا اور نہ حملہ آوروں کی نشاندہی کر سکتا تھا۔ کیونکہ بائیں پہلو میں دستے تک پیوست خنجر اُسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کرچکا تھا۔ عمران نے بڑی پھرتی سے اُس کی جیبوں کی تلاشی لے کر قریباً ڈیڑھ سو روپے برآمد کئے لیکن سگریٹ کا وہ پیکٹ اُسے نہ ملا جس کے سلسلے میں اُس کے پُراسرار رویئے ہی کی بناء پر عمران نے اس کا تعاقب شروع کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ حملہ آور لٹیرے نہیں تھے۔ ورنہ اُس کی جیب میں ڈیڑھ سو روپے کیوں چھوڑ جاتے۔

آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر وہاں پولیس کی گاڑیاں پہنچ گئیں کیونکہ عمران نے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے ہومی سائیڈ برانچ کو اس واقعے کی اطلاع دے دی تھی۔ لیکن کال گمنام ہی رہنے دی تھی اور خود سیدھا فیاض کے بنگلے پر جا دھمکا تھا۔ اسے سوتے سے جگا کر اطلاع دی کہ اس کے مذاق نے بالآخر کون سا رخ اختیار کرلیا۔

”وہ کچھ بھی ہو....!“ فیاض بھنا کر بولا۔ ”میں نے تمہیں غلط اطلاع نہیں دی۔ تین راتیں گذریں میں نے خود اپنی آنکھوں سے اسے وہیں بھیک مانگتے دیکھا تھا۔ تم نے اُس سے بھی پوچھ گچھ

کی یا نہیں۔!“

”نہیں.... اب کروں گا....!“

”لیکن اُس دوسرے بھکاری کا قتل....!“

”ہومی سائیڈ والوں سے رابطہ قائم رکھنا ہو سکتا ہے وہ کیس تمہارے ہی گلے پڑ جائے۔!“ عمران بولا۔

”دیکھا جائے گا۔!“ فیاض نے لاپرواہی سے کہا۔ ”لیکن جوزف کا بھیک مانگنا حیرت انگیز ہے۔!“

”قطعی نہیں....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اُسے شراب تو اب ملتی ہی نہیں۔ کسی کے چکر میں پڑ کر چرس شروع کی تھی۔ میں نے یومیہ اخراجات والی رقم دینا بند کردی۔ ہو سکتا ہے نشے کی طلب ہی بھیک منگوا رہی ہو۔ اب میں دیکھوں گا۔!“

”تو وہ سگریٹ کا پیکٹ اُسکے پاس سے برآمد نہیں ہوا تھا؟“ فیاض نے پُر تفکر لہجے میں پوچھا۔

”نہیں.... اور اُس نے مجھے کچھ بتانا بھی چاہا تھا لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔!“

”کیا بتانا چاہا تھا....!“

”خدا جانے.... بس زبان سے لکنت کے ساتھ نکلا تھا۔ ”کک.... کک.... کاؤس....!“

”بڑی عجیب داستان سنائی ہے تم نے۔!“ فیاض جماہی لے کر بولا۔ ”لیکن اس وقت نہ میں چائے پیش کر سکوں گا اور نہ کافی۔!“

”شکریہ.... اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کل میں لنچ کے بعد تمہارے آفس آرہا ہوں۔!“

”کیا میں ڈی.جی صاحب کے علم میں لے آؤں کہ تم وہ فائل دیکھنا چاہتے ہو۔!“

”یار فضول باتیں نہ کرو.... مجھے جلدی ہے۔ ورنہ وزارتِ خارجہ براہِ راست تمہارے ڈی.جی صاحب سے رابطہ قائم کرلیتی۔!“

”بس تو پھر تھرو پروپر چینل ہی رکھو یہ معاملہ....!“

”فیاض....!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ ”تمہارا تبادلہ کہیں اور بھی ہو سکتا ہے۔!“

”مجھے دھمکی دے رہے ہو۔!“

”نہیں پیارے یہ کہہ رہا ہوں کہ پھر وہاں میں تمہیں کیسے ملوں گا....؟“

”چلو دفع ہو جاؤ.... مجھے نیند آرہی ہے۔ کل لنچ کے بعد....!“

”اوکے.... بائی بائی..!“ کہتا ہوا عمران باہر آگیا۔ اب اُسکی گاڑی فلیٹ کی طرف جا رہی تھی۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ ساڑھے بارہ بجے تھے۔ ڈھائی گھنٹوں میں اتنا کچھ ہو گیا تھا۔

فلیٹ کی کوئی کھڑکی روشن نظر نہ آئی۔ اس کا مطلب تھا کہ سب سو رہے ہیں۔ اس نے کال بیل کا بٹن دبایا اور دباتا ہی چلا گیا۔ گھنٹی شور قیامت والی تھی۔ شائستگی سے ایک خاص دھن بجانے والی گھنٹی نہیں تھی۔ اس لئے جلد ہی اندر سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے سبھی بوکھلا کر اٹھ بیٹھے ہوں۔

پھر دروازے کے قریب ہی سے گلرخ کی غصیلی آواز سنائی دی۔ ”کون ہے۔!“

”دروازہ کھول.....!“ عمران گرج کر بولا۔

”ارے صاحب جی.....!“ کہہ کر گلرخ نے دروازہ کھول دیا اور سر پر دوپٹہ ڈالنے لگی۔

”جوزف کہاں ہے.....؟“ عمران نے اندر قدم رکھتے ہی پوچھا۔

”اپنے کمرے میں سو رہا ہے۔!“

”اور سلیمان.....!“

”جی میں کچھ نہیں جانتی۔ اول درجے کا آوارہ ہو رہا ہے۔ تین تین بجے تک گھر سے غائب رہتا ہے۔!“

”تجھے یقین ہے کہ جوزف اپنے کمرے میں سو رہا ہے۔!“

”جی ہاں.....!“

”ہوں..... خیر میں دیکھتا ہوں۔!“ عمران نے کہا اور جوزف کے کمرے کی طرف بڑھا۔ گلرخ پیچھے پیچھے تھی۔ عمران نے جوزف کے کمرے کے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھل گیا۔ لائٹ جلائی۔ جوزف بستر پر اوندھے منہ پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ عمران لائٹ بجھا کر پلٹ آیا۔ گلرخ سٹنگ روم میں بھی اس کے پیچھے پیچھے پہنچی تھی۔ عمران اس کی طرف مڑ کر بولا۔ ”پچھلے دنوں یہ کیا رات گئے تک غائب رہتا تھا۔!“

”جی ہاں..... بیٹھ جایئے..... سلیمان تو کہہ رہا تھا کہ سب کچھ صاحب کے حکم سے ہو رہا ہے۔ لیکن آپ اس طرح.....!“

”کیا ہو تا رہا تھا صاحب کے حکم سے۔!“ عمران نے اُسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”پرسوں رات تک سلیمان اسے اپنا ایک پھٹا پرانا شلوار سوٹ پہنا کر کہیں لے جاتا تھا اور ایک ڈیڑھ بجے سے پہلے دونوں کی واپسی نہیں ہوتی تھی اور دونوں واپسی پر اتنے خوش نظر آتے تھے جیسے جیتے جی جنت میں داخل ہو جانے کا مژدہ مل گیا ہو۔!“

”ہوں.....!“ عمران سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر پوچھا۔ ”تو کل اور آج یہ واقعہ پیش نہیں آیا۔!“

”جی نہیں..... لیکن سلیمان تو کل بھی غائب رہا تھا اور آج بھی غائب ہے۔ آپ کی ٹوسیٹر لئے پھرتا ہے۔!“

”پیٹرول کے دام کہاں سے آتے ہیں۔!“

”میں نہیں جانتی..... آج کل سودا بھی میں خود ہی لا رہی ہوں۔ ورنہ خیال ہوتا کہ شائد اسی میں کاٹ کپٹ کرتا ہو۔!“

”ٹھیک ہے..... اب تو جا کر سو جا۔ میں جوزف کو جگاتا ہوں۔!“

”تو کیا صاحب..... سلیمان غلط کہتا تھا۔!“

”فکر نہ کر... اپنے کمرے میں جا.. اگر وہ مردود اس دوران میں آ گیا تو اسکی بھی مرمت ہو گی۔!“

”کیا میں آپ کے لئے کافی بناؤں صاحب.....!“

”اچھا بنا دے.....!“ عمران نے کہا اور اٹھ کر پھر جوزف کے کمرے میں آیا۔ وہ شائد چرس کے دم لگا کر سویا تھا۔ ورنہ اتنی گہری نیند نہیں ہوتی تھی کہ کمرے کی لائٹ جلتی اور وہ فوراً ہی بیدار نہ ہو جاتا۔ عمران نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھا دیا تھا اور وہ خوفزدہ انداز میں عمران کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

”تو پوری طرح ہوش میں ہے یا نہیں۔!“

”بب..... بالکل ہوش میں ہوں باس.....!“

”بستر سے اٹھ کر ادھر کھڑا ہو جا۔!“ عمران نے فرش کی طرف اشارہ کیا۔

”بب..... بہت اچھا.....!“

اس نے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں لگائی تھی۔ عمران چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”تو میری بے عزتی کراتا پھر رہا ہے۔!“

”نن..... نہیں..... باس.....!“

”جھوٹ بول رہا ہے۔!“

”میں بے موت مر جاتا باس..... تم نے یومیہ خرچ بھی تو بند کر دیا ہے۔!“

”چرس تجھے موت کے گھاٹ اتار دیتی اس لئے بند کر دیا تھا۔!“

"نشے کے بغیر زندگی موت ہی لگتی ہے باس....!"

"تو بھیک مانگتا تھا....!"

"سس.... سلیمان نے....!"

"تو آخر سلیمان کا اتنا سعادت مند کیوں ہو رہا ہے۔!"

"اس نے کہا تھا کہ تمہیں خبر نہیں ہونے پائے گی۔ اسلئے دور دراز علاقے میں لے گیا تھا۔!"

"بندرگاہ کے اسٹار ہوٹل کے قریب....!"

"ہاں.... باس....!"

"دیکھ مجھے خبر ہو گئی کہ نہیں....!"

"میں اس سے کہہ رہا تھا لیکن وہ نہیں مانا کیونکہ اُس کے اپنے کمیشن کا بھی تو معاملہ تھا۔ چار گھنٹے میں دو ڈھائی سو کما لیتا تھا۔ آدھا خود لیتا تھا اور آدھا مجھے دیتا تھا۔ پھر ایک اور آدمی بیچ میں آ کودا....!"

"کیا مطلب....!"

"ہاں.... باس.... اُس نے وہ جگہ خریدنے کی پیش کش کی اور سلیمان نے ایک ہزار میر سودا طے کر لیا۔ پانچ سو اُس کے اور پانچ سو میرے۔ اس وقت میرے پاس تیرہ سو روپے ہیں۔ سلیمان کہہ رہا تھا کہ ابھی انہیں خرچ کرو پھر میں اور کوئی جگہ تلاش کروں گا۔!"

"ہوں....!" عمران طویل سانس لے کر پُر تفکر انداز میں چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ ادھ جوزف گڑگڑا رہا تھا۔ "معاف کر دو باس اب چاہے مر جاؤں ایسی حرکت نہیں ہو گی۔ لیکن سلیمان شیطان کی طرح ورغلاتا ہے اور میں خود کو بالکل بے بس محسوس کرنے لگتا ہوں۔!"

"خیر کوئی بات نہیں.... ہاں تو اُس نے وہ ایک ہزار وہیں کے وہیں ادا کر دیئے تھے۔!"

"نہیں باس.... مجھے وہ معاملہ بھی کسی قسم کا چکر ہی معلوم ہوتا ہے۔!"

"کیا مطلب....!"

"وہ سلیمان کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر گھر لے گیا تھا اور وہیں ادائیگی کی تھی۔!"

"اوہ.... تو سلیمان اس کا گھر جانتا ہے۔!"

"ہاں باس....!"

"آج وہ کہاں گیا ہے۔!"

"اس کے پاس بھی پیسے ہیں۔ عیش کرتا پھر رہا ہو گا.... اور باس وہ خود بھی اس معاملے میں پریشان ہے۔ کل وہ پھر اسٹار ہوٹل کی طرف یہ دیکھنے گیا تھا کہ اب اس اڈے کو کس طرح استعمال کیا جا رہا ہے۔ واپسی پر اس کی حالت عجیب تھی۔ کہہ رہا تھا کہ وہی شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے کھڑا وہاں بھیک مانگ رہا تھا جس نے اپنی گاڑی میں اُسے لے جا کر ایک ہزار کی ادائیگی کی تھی۔!"

عمران اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ اتنے میں گلرخ نے باہر سے پوچھا۔

"کیا کافی یہیں لے آؤں صاحب....!"

"نہیں.... سٹنگ روم میں رکھو میں آ رہا ہوں۔!" عمران نے جواب دیا اور پھر جوزف کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یعنی وہ اسے اپنی گاڑی میں اپنے گھر لے گیا تھا۔!" اس نے سوال کیا۔

"ہاں باس.. سلیمان کہہ رہا تھا کہ وہ اُسی علاقے کی کسی بڑی عمارت کے ایک فلیٹ میں رہتا ہے۔!"

"سلیمان کی واپسی کب تک ہو گی۔!"

"پتا نہیں باس....! وہ تمہارا ایک سوٹ پہن کر ٹوسیٹر میں گیا ہے۔!"

"آج شائد میں اس کی کھال گرا دوں....!"

"نہیں باس.... اس بار اُسے بھی معاف کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ اس کی باتوں میں نہیں آؤں گا۔!"

"پڑا رہ چپ چاپ۔!" عمران اُس کے بستر کی طرف اشارہ کر کے غرایا اور اُسے وہیں چھوڑ کر سٹنگ روم میں واپس آ گیا جہاں گلرخ کافی سمیت اس کی منتظر تھی۔

"صاحب.... کیا سلیمان سے کوئی بڑی خطا سرزد ہو گئی ہے۔!" گلرخ نے پوچھا۔

"یہی سمجھ لے۔!" عمران نے کہا۔ "تجھ سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ اُسے قابو میں رکھے۔ کیسی عورت ہے تو۔ ایک نپولین کی بیوی تھی کہ سال میں ایک آدھ تھپڑ نپولین کے ضرور رسید کر دیتی تھی۔!"

"میں کمینوں کے منہ نہیں لگتی۔ کبھی کوئی بات سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں تو سب سے پہلے میرے میٹرک پاس ہونے کی تذلیل کرتا ہے۔ پھر اپنے کسی دادا کی بات شروع کر دیتا ہے جو بہت ہی خطرناک قسم کا چودھری تھا۔!"

عمران پُر تفکر انداز میں کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔ دیوار کی گھڑی ڈیڑھ بجا رہی تھی۔

گلرخ نے کہا۔ ”آپ نے اس قدر سر چڑھا رکھا ہے کہ اب اس کا جو جی چاہتا ہے کرتا پھرتا ہے۔ آپ کے کپڑے پہنتا ہے۔ گاڑی استعمال کرتا ہے۔!“

”بے عزتی تو نہ کرائے میری۔ پتا نہیں کیا کیا کرتا پھرتا ہے۔ اچھا جب وہ آئے تو اپنے کمرے میں چلی جائیو.... یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ تیری موجودگی میں اُس پر ہاتھ چھوڑوں۔!“

”خدا کی پناہ.... آپ ماریں گے اسے آخر کتنا بڑا جرم اُس سے سرزد ہوا ہے۔!“

”دیکھا.... ابھی سے اُس کی ہمدردی کی باتیں کرنے لگی۔!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

”یہ بات نہیں ہے صاحب جی.... ابھی تک تو یہی دیکھتی آرہی ہوں کہ اس سے بڑے سے بڑا نقصان ہو جائے پھر بھی آپ نے کبھی اُسے آنکھیں تک نہیں دکھائیں۔ لیکن آج مار پیٹ کی بات کر رہے ہیں۔!“

”وہ کم بخت ان دنوں جوزف سے بھیک منگواتا رہا ہے۔!“

”ارے نہیں....!“ گلرخ بے ساختہ ہنس پڑی اور ہنستی ہی چلی گئی۔ جیسے اُچھو ہو گیا ہو۔

”تیرا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔!“ عمران بگڑ کر بولا اور گلرخ منہ میں دوپٹہ ٹھونس کر ہنسی روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ عمران آنکھیں نکالے اُسے گھورتا رہا۔ لیکن انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خود بھی محظوظ ہو رہا ہو۔

”اور یہی نہیں....!“ اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”جوزف سے اپنا کمیشن بھی وصول کرتا تھا۔ ففٹی ففٹی پر بات ٹھہری تھی۔!“

”خدا سمجھے....!“ گلرخ کا موڈ ایک دم خراب ہو گیا اور وہ دانت پیس کر بولی۔ ”کل میرے لئے امی ٹیشن کا ایک سیٹ لایا تھا بھیک کے پیسوں سے۔!“

”اب تو ہی دیکھ۔ میں نہیں نپٹوں گا تو اب تو خود مارے گی اسے۔ پٹھانی بھی تو ہے تو۔!“

”بس صاحب جی.... اب میں دیکھ لوں گی اُسے۔!“

”اس وقت نہیں.... کل صبح.... اب جا کر چین سے سو جا۔ میں اُس کا انتظار کروں گا۔!“

”آپ کہتے ہیں تو چلی جاتی ہوں۔ ورنہ میرا جی تو چاہتا ہے کہ جیسے ہی وہ آئے۔!“

”نن.... نہیں بس....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر جلدی سے بولا۔ ”اس وقت نہیں اس وقت تو بس اس سے بات کروں گا۔!“

وہ کافی کے برتن سمیٹ کر چلی گئی اور عمران آرام کرسی پر لیٹا بند دروازے کو گھورتا رہا۔

ٹھیک سوا دو بجے کسی نے پہلے تو گھنٹی بجائی پھر دروازہ پیٹنے لگا۔

عمران نے اٹھ کر ایک دم دروازہ کھول دیا۔ سلیمان سامنے کھڑا تھا۔

”ارے باپ رے۔!“ کہہ کر غالباً وہ واپسی کے لئے مڑا ہی تھا کہ عمران نے اُس کی گردن دبوچ کر جھٹکا جو دیا تو وہ چاروں خانے چت کمرے میں آگرا۔

جوزف جو شائد جاگ ہی رہا تھا سٹنگ روم میں آکھڑا ہوا اور گڑگڑانے لگا۔ ”خدا کے لئے معاف کر دو باس.... اب ایسی حرکت نہیں ہوگی۔!“

”تو جا اپنے کمرے میں ورنہ جان سے مار دوں گا۔!“ عمران غرایا.... اور وہ چپ چاپ کمرے سے چلا گیا۔

”اب آپ اٹھئے محترم....!“ عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔

”مم.... میں کیا کرتا.... سالا دماغ چاٹتا رہتا تھا۔ میرے پاس کہاں دھرے ہوتے ہیں پیسے کہ اُسے چرس پینے کو دیتا۔!“

”درست فرمایا۔ اب اٹھ بھی جایئے محترم کیونکہ جس کے ہاتھ آپ نے بھیک کا وہ اڈہ فروخت کیا تھا آج پونے گیارہ بجے قتل کر دیا گیا۔!“

”جج.... جی کیا مطلب....؟“ سلیمان بوکھلا کر اٹھ گیا۔

”اور آپ رقم وصول کرنے کے لئے اُس کے ساتھ اس کے گھر بھی گئے تھے۔ وہاں لوگوں نے آپ کو اس کے ساتھ دیکھا بھی ہوگا۔!“

”نن.... نہیں کوئی نہیں تھا.... شائد وہ اپنے فلیٹ میں تنہا رہتا تھا۔ لل.... لیکن وہ مار ڈالا گیا۔ کک.... کیوں.... مار ڈالا گیا۔!“

”جب اچھی حیثیت کے لوگ بھیک مانگنے لگتے ہیں تو یہی ہوتا ہے۔ بہر حال اب تو میرے ساتھ چلے گا۔!“

”ضض.... ضرور....!“

”تجھے یقین ہے کہ جس نے اڈہ خریدا تھا وہ خود ہی بھیک مانگتا تھا۔!“

”جی ہاں.... کل میں خاص طور پر اُدھر گیا تھا.... اور میں نے اسی کو بھیک مانگتے دیکھا تھا۔!“

"وہ بھی جوزف ہی کی طرح اندھا بنا ہوا تھا۔!" عمران نے پوچھا۔

"جی ہاں.... بالکل اُسی طرح.... اور جوزف ہی کے انداز میں بھیں بھی کرتا تھا۔!"

"میں نے دیکھا تھا....!" عمران کے لہجے میں بیزاری تھی۔

"تت.... تو کیا فوراً چلوں....!"

"فوراً....!"

"گلرخ کو تو نہیں معلوم ہوا....!"

"جب میں جوزف کی خبر لے رہا تھا تو اُسے بھی معلوم ہی ہو گیا ہوگا۔!"

"بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔ اب وہ جوزف سے سارا کچا چٹھا معلوم کر کے خواہ مخواہ سر ہو گی۔!"

"فکر نہ کر.... دیکھا جائے گا۔!" عمران نے کہہ کر جوزف کو آواز دی۔

وہ فوراً دوڑا آیا۔ عمران نے اس سے کہا۔ "ہم باہر جا رہے ہیں تو دروازہ بند کر لے۔!"

جوزف نے بے حد سعادت مندانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔

باہر نکل کر سلیمان نے عمران سے پوچھا۔ "تو آپ مجھے کہاں لے جائیں گے۔!"

"کیا تو مجھے اس کا فلیٹ نہیں دکھائے گا۔!"

"جی بہت اچھا.... لیکن آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے یا نہیں....!" سلیمان گڑگڑایا۔

"اللہ پاک مناسب سمجھے گا تو معاف کر دے گا۔ ورنہ ایک عدد جورو تو دے ہی رکھی ہے تجھے اس نے۔ اچھا چل ٹو سیٹر میں بیٹھ کر آگے چل۔ میں دوسری گاڑی میں چلوں گا۔!"

"جی بہت اچھا۔!"

◆

مقتول کا فلیٹ مقفل تھا۔ عمران بے ضابطہ طور پر قفل کھول کر فلیٹ میں داخل ہوا۔ سلیمان کو اُس نے واپس کر دیا تھا۔

فلیٹ کی تاریکی رفع کرنے کے لئے اُس نے وہاں کی لائٹ نہیں جلائی تھی۔ اس کی بجائے پنسل ٹارچ نکالی اور بہت ہی محتاط انداز میں تلاشی لینے لگا۔ کسی چیز کو ہاتھ لگاتا بھی تو فوراً اُسے رومال سے صاف کر دیتا۔ میز پر رکھی ہوئی تصویر بلاشبہ مقتول ہی کی تھی۔

"کچھ کاغذات ہاتھ لگے۔ جن کی رو سے مقتول کا نام شہاب افضل تھا۔ اس کی تصدیق اس

شناختی کارڈ سے بھی ہو گئی جو ایک چرمی ہینڈ بیگ میں رکھا ہوا ملا تھا۔ لیکن کاغذات اُس کے پیشے کی نشاندہی نہ کر سکے۔!"

"دو کمروں کی تلاشی لینے کے بعد وہ خواب گاہ میں پہنچا۔ لیکن ابھی یہاں کی چھان بین شروع بھی نہیں کی تھی اُن کمروں میں کسی کی آہٹ ہوئی۔ جن کی تلاشی وہ کچھ دیر پہلے لیتا رہا تھا۔!"

وہ بڑی پھرتی سے اُس بھاری پردے کے پیچھے چلا گیا جو محض آرائش کے لئے مغربی دیوار پر پھیلا ہوا تھا۔ نیا آنے والا اس کی طرح محتاط نہیں تھا۔ اس نے کمروں میں روشنی کر دی تھی۔

عمران سانس روکے کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد خواب گاہ کا بلب بھی روشن ہو گیا اور ایک شخص نظر آیا۔ خاصا قد آور اور توانا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے پیشہ ور قسم کا مکا باز یا پہلوان ہو۔ عمران جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ نووارد شائد اس فلیٹ کی تلاشی ہی لے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بستر پر بیٹھ گیا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ پھر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "دارا بول رہا ہے۔ یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن بڑی عجیب بات ہے کہ فلیٹ مقفل نہیں تھا۔ ہینڈل گھماتے ہی دروازہ کھل گیا۔" پھر خاموش ہو کر شائد دوسری طرف کی بات سننے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "نہیں اس قسم کے آثار بھی نہیں ہیں کہ کوئی مجھ سے پہلے پہنچ کر تلاشی لے چکا ہو۔ بہت بہتر ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔!"

ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ اٹھ گیا اور خواب گاہ کی روشنی بند کرتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

عمران پردے کے پیچھے سے برآمد ہو چکا تھا۔ دوسرے کمرے کی روشنی بھی بند کر دی گئی اور پھر جیسے ہی وہ اجنبی فلیٹ سے باہر نکلا عمران بھی نکاسی کے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس اجنبی کا تعاقب کر رہا تھا جس نے کچھ دیر پہلے فون پر کسی کو اپنا نام دارا بتایا تھا۔ اس کی موٹر سائیکل تیز رفتاری سے مسافت طے کر رہی تھی۔ لیکن اس وقت سڑکوں پر ٹریفک کی کمی کی بناء پر عمران کو بھی تعاقب جاری رکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد عالمگیر روڈ کی ایک عمارت کے سامنے موٹر سائیکل رک گئی اور اجنبی اتر کر عمارت کے اُس حصے میں داخل ہو گیا۔ جس پر "داراکافی ہاؤز" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ عمران نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے سڑک کی دوسری جانب اس نے اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کافی ہاؤز سے ایک بیرا نکلا اور موٹر سائیکل کو عمارت کے اندر لے گیا۔

قریباً ساڑھے تین بجے عمران رانا پیلس پہنچ سکا تھا۔ سب سے پہلے اس نے فون پر اپنے ماتحتوں کو کچھ ضروری ہدایات دیں پھر سونے کی تیاری کرنے لگا۔

گھڑی کے الارم نے ٹھیک سات بجے اُسے بیدار کر دیا تھا۔ ناشتہ کئے بغیر وہ رانا پیلس سے نکل کھڑا ہوا۔

سیدھا اپنے فلیٹ پہنچا۔ یہاں خلاف توقع بالکل سناٹا تھا۔ جوزف نے دروازہ کھولا لیکن اُس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

عمران کو دیکھ کر اس نے عجیب انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ عمران نے سٹنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے اونچی آواز میں جوزف سے کہا۔ ”گلرخ سے کہہ دے کہ ابھی میں نے ناشتہ نہیں کیا۔!“

جوزف تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گیا۔ پھر جلد ہی واپس بھی آگیا اور عمران کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ ”یہاں تو زبردست ہنگامہ ہو گیا باس....!“

”کیا ہوا....؟“

”دونوں کے درمیان زبردست کشتی ہوئی۔ گلرخ نے اُسے نوچ کھسوٹ کر رکھ دیا۔!“

”لیکن سلیمان ہے کہاں....!“

”کمرے میں گلرخ نے باہر سے قفل ڈال دیا ہے۔ کہتی ہے کہ کم از کم پندرہ دن تک بند رکھوں گی۔!“

”یہ ہوئی ہے نا بات....!“ عمران خوش ہو کر بولا۔

”اس سے بہتر تو یہی ہوتا باس کہ تم خود اُسے مار پیٹ لیتے۔ عورت کے ہاتھوں تو نہ ذلیل ہوتا۔!“

”خدا کا شکر ادا کر کہ تو شادی شدہ نہیں ہے۔ ورنہ تجھے تو زندہ ہی دفن کرا دیتا۔!“

”نہیں باس.... یہ اچھا نہیں ہوا۔ بھلا کوئی بات ہے کہ بیوی شوہر پر حملہ آور ہو۔!“

”بیوی تو شوہر کو گدھے گاڑی میں جوتے گی۔ بس ذرا اکیسویں صدی شروع ہونے دے۔!

”میں بہت مغموم ہوں باس....!“

”بکواس بند کر اور خاموشی سے ایک طرف بیٹھ ورنہ مجھے غصہ آگیا تو کھڑے گھاٹ تیری بھی شادی ہو گی۔!“

جوزف منہ پھلائے ہوئے ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد گلرخ ناشتے کی ٹرے لے آئی اور جوزف سے بولی۔ ”تیرا ناشتہ کچن میں لگا دیا ہے۔ وہی جا کر کھا لے۔!“

لیکن جوزف اپنی جگہ سے نہ ہلا اور گلرخ نے شکایت آمیز لہجے میں عمران سے کہا۔ ”یہ خواہ واہ مرا جا رہا ہے۔ اس کے لئے۔!“

”کیوں نہ مرے۔!“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”اس اندھے کی لاٹھی تو وہی بنا کرتا تھا۔!“

پھر جوزف سے غرا کر بولا۔ ”جاتا کیوں نہیں۔!“

”سلیمان بھوکا ہے باس....!“ جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”دیکھا آپ نے....!“ گلرخ بولی۔ ”اُسے تو میں بھوکا مار دوں گی۔!“

”جاتا ہے یا اٹھوں میں....!“ عمران آنکھیں نکال کر غرایا۔

جوزف بوکھلا کر کمرے سے نکل گیا اور عمران مسکرا کر بولا۔ ”گلرخ تو فکر نہ کر یہاں وہی ہوگا و تو چاہے گی۔!“

”ارے صاحب.... میں نے بڑی شرافت سے پوچھا تھا۔ بس الف ہو گیا۔ لگا اول فول بکنے ہر مجھے بھی غصہ آگیا۔!“

”کمرے میں کیسے بند کیا تھا....!“ عمران نے اظہار مسرت کرتے ہوئے پوچھا۔

”لڑ جھگڑ کر جا کر لیٹا ہی تھا کہ میں نے باہر سے تالا ڈال دیا اور خود یہاں سٹنگ روم میں آکر سو گئی۔!“

”شاباش لیکن اب کیا پروگرام ہے۔!“

”بند رکھ کر بھوکا مار دوں گی۔!“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں کفن کے لئے لٹھا وغیرہ خرید لاؤں۔!“

”ارے نہیں صاحب ایسا بھی کیا....!“ وہ گڑبڑا کر بولی۔

ٹھیک اُسی وقت سلیمان نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے پیٹنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی دہاڑتا ہا۔ دیکھ گلرخ بات نہ بڑھا۔ ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔ یہ غلط ہے کہ میں نے تیرے لئے کوئی چیز اس رقم سے خریدی تھی۔!“

”اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ تجھ سے معافی مانگ رہا ہے۔!“ عمران آہستہ سے بولا۔

”کچھ بھی ہو.... کم از کم آج دن بھر تو بند ہی رکھوں گی۔!“

”اُس کے بعد اگر اس نے پھر حملہ کر دیا تو۔!“

”مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہے۔!“ گلرخ اکڑ کر بولی۔

“اندازہ ہے تجھے۔!”

“بالکل اندازہ ہے... تبھی تو اس نے بات نہیں بڑھائی تھی۔ چپ چاپ کمرے میں جالیٹا تھا۔!”

“بہر حال اب یہ قصہ ختم کردے۔ ورنہ بات گھر سے نکل جائے گی اور نہ صرف سلیمان بلکہ جوزف بھی کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا۔!”

“وہ کیسے صاحب.... ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔!”

سلیمان پھر چیخنے لگا۔ لیکن وہ اُس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے جواب طلب نظروں سے عمران ہی کو دیکھتی رہی۔

“بات بڑھ گئی ہے... بہر حال کسی کو بھی نہیں معلوم تھا کہ حالات اس طرح بگڑ جائیں گے۔!”

“کیا کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔!”

“بہت بڑی.... اس سلیمان کے بچے نے بھیک کا وہ اڈہ جس کے ہاتھ فروخت کیا تھا اُسے کل رات کسی نے قتل کر دیا۔!”

“ارے نہیں....!” گلرخ بوکھلا گئی۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ “آخر یہ کیا کیا کرتا رہا ہے۔ اس سے بھیک بھی منگوائی اور بھیک کا اڈہ بھی فروخت کر دیا۔!”

“ہاں یہی کچھ ہوا ہے۔ لہٰذا اب تجھے خاموشی اختیار کرنی چاہئے۔ کسی سے بھی اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔!”

“میں سچ مچ اُس کی دشمن تھوڑا ہی ہوں۔!” وہ گلوگیر آواز میں بولی اور جیب سے کنجی نکال کر عمران کے سامنے ڈال دی۔

“بس اب تو جا۔ میں دیکھ لوں گا۔!” عمران نے کہا۔ “اگر جوزف ناشتہ کر چکا ہو تو اُسے بھی اُدھر ہی بھیج دیجیو.... !”

گلرخ چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد جوزف کمرے میں داخل ہوا۔

“بیٹھ جا....!” عمران نے قریب کی کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا.... اور اُسے بھی اس قتل کے بارے میں بتانے لگا۔

“میں نے تو پہلے ہی کہا تھا باس کہ کوئی چکر ضرور ہے۔!” جوزف سر ہلا کر بولا۔

“بہر حال.... اب تم لوگ اس سلسلے میں بالکل خاموشی اختیار کرو گے۔!”

“ارے تو میں کس منہ سے کسی کو بتاؤں گا کہ میں بھیک مانگتا رہا ہوں۔!”

“اچھا.... تو یہیں بیٹھ....!” عمران اٹھتا ہوا بولا۔ “میں سلیمان کو لا رہا ہوں۔!”

ٹھیک اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور عمران نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کیپٹن فیاض کی آواز آئی۔

“خیریت....!” عمران ماؤتھ پیس میں بولا۔

“سنو... جوزف سے پوچھو کہ اس نے وہ اڈہ کیوں چھوڑا تھا اور اسکی جگہ دوسرا آدمی کیسے پہنچا۔!”

“جوزف کچھ نہیں جانتا۔ سن کر ہنس رہا تھا۔ بھلا وہ کیوں بھیک مانگنے لگا۔!”

“تو پھر میں جھوٹا ہوں....!” فیاض کی غصیلی آواز آئی۔

“نہیں تمہیں غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔ چلو میرے ساتھ سیاہ فاموں کی بستی میں تمہیں جوزف کے کئی ہمشکلوں سے ملا دوں گا اور پھر اگر تم اسے جوزف ہی سمجھے تھے تو تمہیں اُسے ٹوکنا بھی چاہئے تھا۔ تم اُس کے لئے اجنبی تو نہیں تھے۔!”

“اگر تمہیں یقین نہیں تھا تو کیوں دوڑے گئے تھے دیکھنے کے لئے۔!”

“بس حماقت ہی سرزد ہوئی تھی۔!” عمران نے کہا۔ “ہونا یہ چاہئے تھا کہ پہلے فلیٹ میں جا کر دیکھ لیتا۔ بہر حال جب میں وہاں سے واپس ہوا تھا تو جوزف بے خبر سو رہا تھا۔!”

“کوئی نہ کوئی پھیر ہے ضرور.... خواہ تم کتنی ہی باتیں بناؤ....!”

“بس تو پھر ثابت کرو کہ وہ جوزف ہی تھا....!”

“اسی مضبوطی کی بناء پر تو اچھل کود رہے ہو....!”

“مقتول کے بارے میں کچھ معلوم ہوا....!”

“نہیں کچھ بھی نہیں.... آس پاس کے لوگ لاش کی شناخت نہیں کر سکے۔!”

“خیر تو پھر میں لنچ کے بعد آ رہا ہوں....!” عمران نے کہا۔

“مجھے افسوس ہے۔!” فیاض دوسری طرف سے بولا۔ “تھرو پراپر چینل آؤ میں نجی طور پر فائل تمہیں نہیں دے سکتا۔!”

“اچھی بات ہے...... پیارے فیاض...... اب خدا ہی جانے کہ کتنی ٹھوکریں تمہارے مقدر میں لکھی ہوئی ہیں۔!”

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ ویسے میں سپرنٹنڈنٹ ہومی سائیڈ کو مطلع کرنے جارہا ہوں کہ مقتول کی لاش سب سے پہلے تمہی نے دیکھی تھی اور فون پر پولیس کو مطلع کرنے والے بھی تمہی تھے۔ لہٰذا ابھی سے جواب دہی کے لئے تیاری کرلو.....!"

"واقعی.....!" عمران چہک کر بولا۔ "بھلا مجھ سے کیا پوچھا جاسکتا ہے۔!"

"یہی کہ تم اُس وقت وہاں کیا کر رہے تھے.....؟ اور تم نے گمنام کال کیوں کی تھی۔ اپنی شخصیت کیوں نہیں ظاہر کی۔!"

"ٹاٹا.....!" کہہ کر عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور جوزف سے بولا۔ "تم دونوں اندازہ نہیں لگا سکتے کہ بات کتنی بڑھ گئی ہے۔!"

"میں شرمندہ ہوں باس.....!"

عمران سر ہلاتا ہوا کمرے سے نکل آیا اور سلیمان کے کمرے کے سامنے رک کر اونچی آواز میں بولا۔ "اب کیا خیال ہے۔!"

"میں گلرخ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔!" اندر سے آواز آئی۔

"اس سے پہلے تو خود جیل چلا جائے گا۔ بات بہت بڑھ گئی ہے۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اب اس قصے کو ختم کردے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے اس کے بارے جو حماقت تم دونوں سے سرزد ہوئی تھی۔!"

"آپ مجھے باہر تو نکالئے..... بھوک کے مارے دم نکلا جارہا ہے میرا۔!"

"گلرخ کی طرف تو ٹیڑھی آنکھ سے بھی نہیں دیکھے گا۔!"

"آپ ہی تو شہہ دیتے ہیں اُسے..... ورنہ مجال تھی اُس کی۔!"

"ابے بس کر وہ بھی پٹھانی ہے۔ تیری طرح صرف کسی چودھری کی اولاد نہیں ہے۔ اُس کی پردادی نے ساڑھے ستائیس قتل کئے تھے۔!"

"کئے ہوں گے..... آپ دروازہ کھولئے۔!"

عمران نے قفل کھول کر اُسے باہر نکالا۔ عجیب حلیہ ہو رہا تھا چہرے پر جگہ جگہ خراشیں تھیں اور قمیض بھی پھٹ گئی تھی۔ عمران اُسے سیدھا سٹنگ روم میں لیتا چلا گیا اور ناشتے کی ٹرے اس کے آگے بڑھادی۔ فی الحال گلرخ سے اس کے لئے کچھ طلب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

ناشتے کے دوران ہی میں سلیمان کو پورے وقوعے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہوسکتا ہے پٹن فیاض تم دونوں سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے کسی کو بھجوائے اس لئے محتاط رہنا۔!"

"ہم سے وہ کچھ بھی نہیں معلوم کر سکیں گے۔!" سلیمان بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "آپ گلرخ کو ابو میں رکھنے کی کوشش کیجئے۔!"

"وہ اب تجھ سے نہیں الجھے گی۔ میں نے سمجھا دیا ہے۔!"

ایک بار پھر فون کی گھنٹی بجی اور عمران نے جوزف کو کال ریسیو کرنے کا اشارہ کیا۔

جوزف نے کال ریسیو کی اور ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "مسٹر صفدر ہیں۔!"

عمران نے اٹھ کر ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "کیا خبر ہے۔!"

"اچھی خبر نہیں ہے..... مقتول کسٹم انٹیلی جنس کے اینٹی اسمگلنگ اسکواڈ کا ایک انسپکٹر تھا۔!"

"یہ اطلاع تمہیں کس ذریعہ سے ملی ہے۔!"

"میں نے اس کے فلیٹ کی نگرانی کا کام اپنے ذمے لیا تھا۔ کچھ ہی دیر پہلے وہاں کسٹم انٹیلی جنس کے لوگ نظر آئے اور ان کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ انہیں کا آدمی ہوسکتا ہے۔ پھر زید چھان بین کرنے پر حقیقت سامنے آگئی۔!"

"تم اب کہاں ہو.....؟"

"اُسی علاقے کے ایک پبلک فون بوتھ سے آپ کو اطلاع دے رہا ہوں۔!"

"بس اب سیدھے میرے پاس چلے آؤ..... میں فلیٹ ہی میں ملوں گا۔!"

"بہت بہتر.....!"

"کیا ہومی سائیڈ والوں کو معلوم ہوگیا کہ وہ کون تھا۔!"

"اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔!"

"خیر..... اب تم ادھر ہی آجاؤ.....!" عمران نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"کیا کوئی بڑی گڑبڑ ہوئی ہے باس.....!" جوزف نے پوچھا۔

"بہت بڑی گڑبڑ..... وہ بھی ایک سرکاری آدمی تھا۔!"

"خدا کی پناہ..... یہ سب کیا ہو رہا ہے۔!" جوزف پر تفکر انداز میں بڑبڑایا۔

"بس تم اپنے ہوش ٹھکانے رکھنا.....!" عمران نے کہا اور خاص طور پر سلیمان کی طرف ہاتھ

ہلا کر بولا۔ "تو خود ہی نہ چھیڑیو گلرخ کو۔!"

"میں تو اب اُسے جوتے کی نوک پر بھی نہیں ماروں گا۔ جہنم میں جائے۔!"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔!" عمران سر ہلا کر رہ گیا۔

◆

عمران گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور صفدر اُس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ گاڑی بندرگاہ کے علاقے کی طرف جا رہی تھی۔ دفعتاً صفدر بولا۔ "مجھے ابھی تک مقتول کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔!"

"میرا خیال ہے کہ جو نام میں جانتا ہوں وہ بھی اُس کا اصل نام نہیں تھا۔!"

"کیا مطلب....!"

"اُس کے فلیٹ میں اُس کے جو کاغذات ملے تھے جعلی تھے۔ انہی کاغذات میں اس کا نام شہاب افضل تحریر تھا ایک شناختی کارڈ بھی ہاتھ آیا تھا۔ اُس پر اس کی تصویر تھی اور نام شہاب افضل درج تھا۔!"

"آپ آخر کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔!"

"حالات کے تحت میں یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہوں کہ وہ مجرموں کی کسی پارٹی میں خود بھی شریک ہو کر اُن کے جرائم کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مجرم اُس کی اصلیت سے باخبر ہو گئے۔ اس نے سلیمان سے بھیک کے اڈہ کا سودا اپنے محکمے کی کسی رقم سے نہ کیا ہو گا۔ بلکہ وہ رقم مجرموں ہی کے جیب سے نکلی ہو گی۔!"

"آپ نے دارا کافی ہاؤز کے مالک دارا کا بھی ذکر کیا تھا۔ اُسے کس خانے میں فٹ کریں گے۔!"

"وہ بھی کسی کے لئے کام کر رہا ہے۔ کیونکہ فون پر اُس نے کسی کو وہاں اپنی موجودگی کی اطلاع دی تھی۔ گفتگو کا انداز نیاز مندانہ تھا۔!"

"اُس کے لئے کیا کر رہے ہیں....؟"

"فی الحال میں اُسے نہیں چھیڑنا چاہتا۔!"

"سوال تو یہ ہے کہ اس کا ہمارے محکمے سے بھی کوئی تعلق ہو سکتا ہے یا نہیں۔!"

"فی الحال یہ میرا نجی معاملہ ہے۔!"

"اور ہمیں ایکس ٹو کی طرف سے حکم ملا ہے کہ ہم سب آپ سے تعاون کریں اور آپ اسے نجی معاملہ قرار دے رہے ہیں۔!"

"ایکس ٹو جانتا ہے کہ میں بھی اس کے لئے کیا کیا کر سکتا ہوں۔!"

"آپ کا معاملہ ہی آج تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔ کبھی آپ ایکس ٹو پر احسان کرتے ہیں اور کبھی باقاعدہ طور پر اُس کے ماتحت بن کر کام کرتے ہیں۔!"

"جب مجھے اس بات کا خدشہ ہوتا ہے کہ دوسری سرکاری ایجنسیاں میرے کام میں خلل انداز ہوں گی۔ تب میں باقاعدہ طور پر اُس کا ماتحت بن جاتا ہوں اور وزارتِ خارجہ مجھے پورا پورا تحفظ دیتی ہے۔!"

"خیر.... مجھ سے تو آپ نے کہہ دیا ہے کہ یہ آپ کا نجی معاملہ ہے لیکن اور کسی سے نہ کہئے گا۔ غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے۔!"

"تم تو اس طرح سمجھانے بیٹھ گئے ہو جیسے آج پہلی بار تم سے ملاقات ہوئی ہو۔!"

"مجھے کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔ کتنے عرصہ بعد ہم اس طرح مل بیٹھے ہیں۔!"

"ختم کرو....!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "کسٹمز انٹیلی جنس کے ڈائرکٹوریٹ میں کوئی جان پہچان والا ہو تو اُس سے مقتول انسپکٹر کا اصل نام معلوم کرو....!"

"میں دیکھوں گا جا کر.... شائد کوئی جان پہچان والا مل ہی جائے۔!"

تھوڑی دیر بعد عمران نے ڈائریکٹوریٹ کی عمارت کے قریب گاڑی روکی اور صفدر اُتر کر عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

قریباً بیس بائیس منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی تھی اور وہ ناکام واپس نہیں آیا تھا۔

"مقتول کا نام باسط رشید تھا۔!" اُس نے اطلاع دی۔ "اور قریباً چھ ماہ سے وہ اسمگلرز کے ایک گروہ سے اٹیچڈ رہا تھا۔ لیکن پارٹی کے سربراہ تک اس کی پہنچ نہیں ہو سکی تھی۔!"

گاڑی حرکت میں آگئی.... اور صفدر نے پوچھا۔ "اب کدھر....؟"

"اب ہم کچھ دیر دارا کافی ہاؤز میں بیٹھیں گے۔!"

"ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ فی الحال آپ دارا کو نہیں چھیڑنا چاہتے۔!"

"صرف بیٹھیں گے کافی ہاؤز میں.... دارا سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہو گا۔!"

"مجھے سوچ سوچ کر ہنسی آرہی ہے سلیمان اور جوزف کی حرکتوں پر....!"

عمران کچھ نہ بولا۔ گاڑی شہر کی طرف بڑھتی رہی۔

”کبھی پہلے بھی دارا کافی ہاؤز میں بیٹھے ہیں۔!“ صفدر نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”نہیں.... بس اُدھر سے گذرتے ہوئے سائن بورڈ ہی پر نظر پڑتی رہی ہے۔ کبھی بیٹھنے اتفاق نہیں ہوا۔!“

”شہر کے بڑے بڑے ادیب اور آرٹسٹ وہاں بیٹھتے ہیں۔!“

”بیٹھتے ہیں یا بیٹھے رہا کرتے ہیں۔!“ عمران نے پوچھا۔

”خود ہی دیکھ لیجئے گا۔!“

”لیکن ہماری نوعیت کیا ہو گی۔!“ عمران نے کہا۔ ”ہم نہ ادیب ہیں اور نہ آرٹسٹ....!“

”صرف میری بات کیجئے۔ آپ تو پتا نہیں کیا کیا ہیں۔!“ صفدر نے کہا پھر جلدی سے پوچھ بیٹھا۔ ”دارا آپ سے واقف تو نہیں ہے۔!“

”پتا نہیں.... اس سلسلے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔!“

”خیر دیکھا جائے گا۔!“

دارا کافی ہاؤز کے قریب گاڑی رک گئی۔ وہ دونوں اُتر کر اندر پہنچ گئے دن کے گیارہ بجے تھے اور کافی ہاؤز اس وقت بھی خاصا آباد نظر آرہا تھا۔

انہوں نے ایک گوشے میں میز منتخب کی.... عمران بالکل ہونقوں کے سے انداز میں کافی ہاؤز کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر بوکھلا کر بولا۔ ”ارے باپ رے۔ یہاں تو لڑکیاں سرو کرتی ہیں۔ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔!“

”یہی تو یہاں کی اسپیشلٹی ہے۔“ صفدر بولا۔ ”میں سمجھتا تھا کہ شائد آپ کو اس کا علم ہو۔!“

”علم ہوتا تو ہرگز نہ آتا.. یہاں.. لڑکیوں کو بیراگیری کرتے دیکھکر میری گھگھی بندھ جاتی ہے۔!“

”یعنی آپ اُن کی بیراگیری سے خوف محسوس کرتے ہیں۔!“

”بالکل.... پتا نہیں کب کافی پاٹ سر پر دے ماریں۔!“

”نہیں بہت سیدھی ہیں۔ بیچاریاں.. حد ہے کہ اتنے ادیبوں اور آرٹسٹوں کو برداشت کرتی ہیں۔!“

”ارے باپ رے.... وہ ادھر ہی آرہی ہے۔!“ عمران مزید بوکھلا کر بولا۔ ”میں آنکھیں بند کئے لیتا ہوں۔ تم آرڈر پلیس کر دینا۔ کافی اور چکن سینڈوچز کے لئے۔!“

پھر سچ مچ اُس نے آنکھیں بند کرلیں اور صفدر ویٹریس کو بتانے لگا کہ انہیں کیا کیا چاہئے۔

ٹھیک اُسی وقت ایک صاحب قریب کی میز پر ہاتھ مار کر دہاڑے۔ ”دونوں سپر پاورز عالمی ائے عامہ سے قطعی متاثر نہیں ہوتیں۔ جو اُن کا دل چاہتا ہے کرتی رہتی ہیں۔ اس لئے محض انفرنسوں سے کام نہیں چل سکتا۔!“

عمران نے سہم جانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ ویٹریس جاچکی تھی۔ وہی ماحب پھر گرجے۔ ”تیسری دنیا کی باتیں بھی بکواس ہیں۔ ان میں سے بھی کچھ ممالک اس کی گود ں بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ اُس کی گود میں سچائی پتا نہیں کہاں دفن ہو گئی ہے۔!“

”اے تم مجھے کہاں لے آئے۔!“ عمران کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”یہاں تو دل دہلانے والی تیں ہو رہی ہیں۔!“

”فکر نہ کیجئے.... اُن گلرخوں پر نظر رکھئے۔ جو آپ کے لئے دوڑ دھوپ کر رہی ہیں۔!“

”کن گلرخوں کی بات ہے۔!“

”سرو کرنے والی لڑکیاں....!“

برابر والی میز پر وہی صاحب پھر گرجے۔ ”میں نے اپنی نظم میں یہی بتانے کی کوشش کی ہے ہ ساری دنیا ایک بہت بڑے فراڈ کے دور سے گذر رہی ہے۔ کچھ لوگ دوسروں کو فریب دے ہے ہیں اور کچھ خود فریبی میں مبتلا ہیں۔!“

”میاں میں تو چلا!“ عمران خوف زدہ لہجے میں بولا۔ ”کہیں اب ان کی نظم بھی نہ سننی پڑے۔!“

”بیٹھئے.... بیٹھئے.... شائد نظم نہ سنائیں۔ کیونکہ ان کے دونوں ساتھی خاصے بور نظر آرہے ں۔ شائد وہ انہیں نظم پڑھنے کا موقع ہی نہ دیں۔!“

”یار تم کیا جانو.... شاعر کو کون روک سکا ہے۔ سنانے سے۔!“

”اچھا تو پھر آپ یہاں آئے کیوں تھے۔!“

”میری خود سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں....!“

”دارا کے لئے شائد آپ بھول گئے۔!“ صفدر آہستہ سے بولا۔

”دارا کے بارے میں تم کیا جانتے ہو....!“

”کبھی ہیوی ویٹ چیمپئن رہ چکا ہے۔ باکسنگ کا۔ اب بظاہر صرف یہی پیشہ ہے کافی ہاؤز کھول

کر دفتر نشین ہو گیا ہے۔!"

"پولیس ریکارڈ....!"

"میرا خیال ہے کہ اُس کا کوئی پولیس ریکارڈ نہیں ہے۔ کسی غیر قانونی حرکت کا مرتکب کبھی نہیں پایا گیا۔!"

"تب تو واقعی اُسے براہِ راست نہ چھیڑنا چاہئے۔ صرف نگرانی کافی ہو گی۔!"

"کیا آپ اس سے ملیں گے نہیں....؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ بہر حال اصل آدمی نہیں ہے جسکی تلاش انسپکٹر باسط رشید کو تھی۔!"

"لیکن وہ اصل آدمی سے واقف تو ہو گا۔!"

"ہو سکتا ہے۔!" عمران پر تفکر لہجے میں بُولا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ میں حالات کا پوری طرح جائزہ لئے بغیر خود کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا۔ پہلے تو مجھے یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس سلسلے میں ہومی سائیڈ والوں اور کسٹمز انٹیلی جینس کا کیا رویہ ہے۔!"

"اور کیپٹن فیاض....!"

"کیپٹن فیاض تک بات اُس وقت پہنچے گی جب ہومی سائیڈ والے ناکام ہو جائیں۔ میں اس وقت یہاں صرف اسلئے آیا ہوں کہ کافی ہاؤز کے ماحول کا جائزہ لے سکوں۔ ارے باپ رے۔!"

عمران نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ کیونکہ ویٹریس ان کی طلب کی ہوئی اشیاء لا رہی تھی۔

"یہ آپ جائزہ لے رہے ہیں ماحول کا....!" صفدر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "آنکھیں کھولئے وہ جا چکی ہے۔!"

عمران نے آنکھیں کھول دیں اور ہونقوں کی طرح صفدر کی شکل تکنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ دارا بھی اصل آدمی کی نشاندہی نہیں کر سکے گا۔!" صفدر نے ستہ سے کہا۔ "ورنہ باسط رشید اسی طرح کیوں جھک مارتے مارتے خود بھی ختم ہو جاتا۔!"

"یہ بھی ممکن ہے....!" عمران نے کہا۔ "بعض مجرم خود کو اپنے سارے کارپردازوں پر ظاہر نہیں کرتے۔!"

"اگر معاملہ اسمگلنگ ہی کا ہے تو بڑا ہی آدمی اُس کی پشت پر ہو گا۔!"

"بڑا نہ کہو.... بلکہ دولت مند اور ذی اثر آدمی کہو۔ بڑا آدمی اور چیز ہوتا ہے۔!"

"خیر.... خیر....!" صفدر اس کی پیالی میں کافی انڈیلتا ہوا بولا۔ "سینڈوچ لیجئے۔ چکن سینڈوچ یہاں کی اسپیشلیٹی ہے۔!"

"برابر کی میز سے پھر دہاڑ سنائی دی۔ "ہم وہی لکھتے ہیں جو محسوس کرتے ہیں۔!"

"اتنے زور سے تو محسوس نہ کرو....!" دفعتاً عمران بگڑ کر بولا۔

"جی کیا مطلب....!" برابر والی میز سے آواز آئی۔

"آپ کو یہاں بیٹھ کر اس طرح چیخنے کا حق کس نے دیا ہے۔!"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں....!" وہ ادیب یا سیاستدان اپنی کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔

"میں بالکل ہوش میں ہوں.... ورنہ ہرگز اعتراض نہ کرتا۔!" عمران بھی اٹھتا ہوا بولا۔

"اس کا مقابل ادیب یا سیاستدان خاصا لحیم شحیم آدمی تھا اور آنکھوں کی بناوٹ کے اعتبار سے طاقتور بھی لگتا تھا۔!"

"جانتے ہو میں کون ہوں۔!" وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"بے شمار جانوروں سے میری جان پہچان نہیں ہے۔!" عمران نے بڑی معصومیت سے کہا۔

اچانک کاؤنٹر کلرک دوڑ آیا اور دونوں سے خاموش ہو جانے کو کہتا رہا۔

"پتا نہیں کہاں سے آمرتے ہیں۔!" عمران کا مقابل بولا اور کاؤنٹر کلرک سے پوچھنے لگا۔ "کیا تم اس شخص کو جانتے ہو....!"

"نہیں جناب....!"

"تو گویا نووارد ہے۔ کافی ہاؤز میں بیٹھنے کی تمیز نہیں ہے تو یہاں کیوں آئے۔!"

"بدتمیزوں کا دماغ درست کرنے۔!" صفدر بھی اٹھتا ہوا بولا۔

ویسے اُسے عمران کی دخل اندازی اچھی نہیں لگی تھی۔ دفعتاً دارا بھی اپنے آفس سے نکل کر وہاں آ کھڑا ہوا۔ لیکن صفدر نے محسوس کیا کہ عمران پر نظر پڑتے ہی وہ چونکا تھا پھر جلد ہی سنبھل کر عمران کے مخاطب سے بولا تھا۔ "کیا بات ہے شاطر صاحب۔!"

"یہ شخص خواہ مخواہ میری باتوں میں دخل اندازی کر بیٹھا تھا۔!"

"میں اس لئے دخل اندازی کر بیٹھا تھا کہ خواہ مخواہ چیخ چیخ کر دوسروں کا سکون غارت کر رہے تھے۔!"

"باہر چلو..... میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔!"

"بیٹھ جاؤ.....!" عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔ "ذرا یہ لذیذ سینڈوچز کھالوں اور کافی پی لوں پھر میں ضرور چلوں گا تمہارے ساتھ باہر۔ پہلے تمہیں ماروں گا پھر وہ نظم سنوں گا جس کے لئے تم اس قدر چیخ رہے تھے۔ لیکن تمہارے ساتھی نظم سنانے کا موقع ہی نہیں دے رہے تھے۔!"

"مار ڈالوں گا...!" کہتا ہوا وہ عمران کی طرف جھپٹا... لیکن دارا ان کے درمیان آتا ہوا بولا۔

"باہر ہی ٹھیک رہے گا شاطر صاحب۔ میں یہاں ہنگامہ پسند نہیں کروں گا۔ آپ بھی براہِ کرم بیٹھ جائیے جناب.....!" اُس نے عمران سے کہا۔

"جی بہت اچھا.....!" عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا اور بیٹھ کر نہایت اطمینان سے سینڈوچ کھانے لگا۔

"پاگل معلوم ہوتا ہے۔!" شاطر نے کہا اور خود بھی بیٹھ گیا۔

عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ صفدر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہیے۔ دارا بھی کرسی گھسیٹ کر عمران ہی کی میز کے قریب بیٹھ گیا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "عمران صاحب..... آج اچانک اس کرم فرمائی کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔!"

"بھائی ادھر سے گذر رہے تھے۔ بھوک لگی اور یہاں آبیٹھے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں کا ماحول مچھلی بازار سے مختلف نہیں ہے۔!"

"آپ سیدھے دفتر میں تشریف لائے ہوتے۔ وہاں آپ کے لئے انتظام ہو جاتا۔ یہ شاعر اور ادیب لوگ ہیں کسی قسم کی بھی پابندی برداشت نہیں کر سکتے۔!"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ مجھے جانتے ہیں۔!" عمران بولا۔ "ورنہ سیدھا آپ ہی کے پاس آتا۔!"

"مگر عمران صاحب..... شاطر کینہ توز آدمی ہے۔ باہر نکل کر آپ سے لڑے گا۔ وہ فخریہ کہتا ہے کہ وہ شاعر ہی نہیں پہلوان بھی ہے۔!" دارا آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔

"خوب.....! یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ آج ایک پہلوان کا تجربہ بھی ہو جائے گا۔!" عمران خوش ہو کر بولا۔

"لیکن سڑک پر تو اچھا نہیں لگے گا۔ ہو سکتا ہے معاملہ قابل دست اندازی پولیس نہ بن جائے۔!"

"سڑک پر تو یہی ہو گا۔!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"تو پھر... کیا کیا جائے۔!" دارا نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "اب تو وہ آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔!"

"تب پھر جو کچھ بھی ہو..... سڑک پر ہی سہی۔!"

"نہیں... میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ کیوں نہ میں اوپری منزل کے ہال میں انتظام کر دوں۔!"

صفدر اپنی گردن سہلانے لگا اور عمران جلدی سے بولا۔ "لیکن اگر وہ اس پر رضامند نہ ہوا تو؟"

"پولیس کے ہاتھوں ذلیل ہونا تو وہ بھی پسند نہ کرے گا۔!" دارا نے آہستہ سے کہا۔ "خیر میں اُس سے گفتگو کر کے دیکھتا ہوں۔!"

دارا اُٹھی میز سے اٹھ کر شاطر کی میز کے قریب جا بیٹھا اور آہستہ آہستہ اس سے گفتگو کرنے لگا۔

"یہ آپ نے کیا شروع کر دیا۔!" صفدر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"میں نے شروع کر دیا ہے۔ یا اس نے شروع کیا ہے۔!" عمران نے کسی چڑچڑی عورت کے سے انداز میں ہاتھ نچا کر کہا۔

"آخر اس سے فائدہ کیا ہو گا۔ کیا آپ اسی لئے یہاں آئے تھے۔!"

"دنیا میں سب کچھ بندھے ٹکے اصولوں کے تحت نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی ناگزیر تبدیلیاں بھی واقع ہو جاتی ہیں۔!"

"یعنی آپ سچ مچ اس سے کشتی لڑیں گے۔!"

"خود میں نے چیلنج نہیں کیا.....؟"

"کمال ہے.....! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں.....!"

"تم کشتی دیکھنا.....!"

[illegible] دارا پھر اُن کے قریب آبیٹھا اور رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "وہ اس پر آمادہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا میں اوپر کے ہال سے فرنیچر ہٹوانے جا رہا ہوں۔!"

"بالکل..... بالکل.....!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"آپ قطعی فکر نہ کیجئے گا میں ریفری کے فرائض انجام دوں گا۔ فاؤل کی قطعی اجازت نہ ہو گی۔ اب یہ بتائیے کہ آپ دیسی کشتی لڑیں گے یا فری اسٹائل.....!"

"وہ جس طرح بھی لڑنا چاہے۔ مجھے منظور ہو گا۔!"

”وہ تو فری اسٹائیل کے لئے کہہ رہا ہے۔!“

”ٹھیک ہے.... میں اس سے متفق ہوں....!“

”بہت اچھا.... میں تھوڑی دیر بعد آپ دونوں کو اوپر لے چلوں گا۔!“

”تماشائیوں کے بغیر کشتی کا کیا مزہ....!“ عمران بیزاری سے بولا۔

”ہلڑ ہو جائے گا اور میں اسے پسند نہیں کروں گا۔!“ دارا نے کہا۔

”اچھا تو صرف اُس کے ساتھی اور میرا ساتھی....!“

”ہاں.... اس حد تک ممکن ہے....!“ دارا اٹھتا ہوا بولا۔

”اب اس میز کی طرف ہرگز نہ دیکھنا....!“ عمران آہستہ سے بولا اور اس طرح ہنسنے لگا جیسے صفدر کی کسی بات پر ہنسا ہو۔

دفعتاً شاطر کی میز سے اُس کا ایک ساتھی اٹھا اور اُن کی میز کے قریب آکر بولا۔ ”کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔!“

”ضرور.... ضرور....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”شوق سے....!“

”کشتی تو طے پا گئی ہے جناب.... لیکن ہم لوگ ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔ اس لئے کشتی سے قبل تعارف ہو جائے تو بہتر ہے۔ میرے ساتھی نواب شاطر کہلاتے ہیں۔!“

اور میرے ساتھی.... صفدر جلدی سے بولا۔ ”ہز میجسٹی علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) ہیں۔!“

”خیر.... لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ نواب صاحب نہ صرف شاعر بلکہ ایک منجھے ہوئے پہلوان بھی ہیں اب بھی مصالحت کی صورت نکل سکتی ہے۔ اگر آپ کے ساتھی نواب صاحب سے معافی مانگ لیں تو بات ختم ہو سکتی ہے۔!“

”ان سے کہئے کہ وہ خود ہم سے معافی مانگیں۔!“ عمران بگڑ کر بولا۔ ”ورنہ ہم اُن پر عرصہ حیات تنگ کر دیں گے۔ کیونکہ ہم نثری نظم کے ماہر ہیں۔!“

”بات بڑھانے سے کیا فائدہ....!“ شاطر کا ساتھی بولا۔

”بات بڑھ چکی ہے۔!“ عمران بولا۔ ”مسٹر دارا اوپر ہال میں انتظام کرنے گئے ہیں۔ اب ایسے میں اگر ہم پیچھے ہٹ گئے تو انہیں سخت مایوسی ہوگی۔!“

”تو آپ نہیں مانیں گے۔!“

”ہرگز نہیں.... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.... اب تو ہر حال میں کشتی ہوگی۔!“

”آپ پچھتائیں گے۔!“

”وہ ہمارا ذاتی مسئلہ ہوگا۔!“ عمران لاپرواہی سے بولا.... اور نواب شاطر کا ساتھی اٹھ کر اپنی میز پر چلا گیا۔ صفدر سوچ رہا تھا کہ عمران کو اس کی بات مان لینی چاہئے تھی۔ آخر اس ہلڑ بازی کا کیا مصرف۔ وہ یہاں اس لئے تو آئے نہیں تھے۔ پھر اگر دارا سے کشتی کی ٹھہرتی تو بات بھی تھی۔ کم از کم یہی اندازہ ہو جاتا کہ جن لوگوں سے ٹکراؤ ہوا ہے وہ کتنے پانی میں ہیں۔

قریباً آدھے گھنٹے بعد دارا نے آکر اطلاع دی کہ ہال خالی ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی اُس نے کہا۔ ”فرش پر ڈالنے کے لئے گدوں کی فراہمی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے آپ لوگ خود ہی اپنی ہڈیوں کی حفاظت کیجئے گا۔!“

”آپ اسکی فکر نہ کیجئے.... ٹوٹ پھوٹ کی ذمہ داری آپ پر نہ ہوگی۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

پھر دارا نے شاطر کی میز پر جاکر شائد یہی اطلاع دی تھی اور شاطر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی اٹھے تھے۔ عمران نے کاؤنٹر پر کافی کی قیمت ادا کی اور وہ سب اوپر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگے اور دارا نے کہا۔

”نواب صاحب شائد آپ کو نہ معلوم ہو کہ مسٹر علی عمران انٹیلی جنس بیوریو کے ڈائریکٹر جنرل مسٹر رحمان کے صاحب زادے ہیں۔!“

”اسی لئے اس قدر اکڑ رہے ہیں۔!“ شاطر بولا۔

”اُن کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہونے پاتا کہ میں کیا کرتا پھرتا ہوں۔!“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

”مسٹر دارا.... آپ نے مجھے مطلع کر دیا ہے۔!“ شاطر بولا۔ ”لیکن میں ذرہ برابر بھی رعایت نہیں کروں گا۔ خواہ یہ صدر مملکت ہی کے صاحب زادے کیوں نہ ہوں۔!“

”فری اسٹائل کے بھی کچھ اصول ہیں۔!“ عمران نے کہا۔ ”جن ضربات یا گرفتوں کو مستثنیٰ کرانا چاہتے ہو اُن کے بارے میں ابھی سے بتادو....!“

شاطر رک کر عمران کو گھورنے لگا۔ وہ ہال میں پہنچ چکے تھے۔ آخر وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

”سب کچھ چلے گا۔ استثنیٰ کا تو نام ہی مت لو.....!“

”مسٹر دارا نوٹ کیجئے۔!“ عمران نے کہا۔ ”آپ ریفری کے فرائض انجام دیں گے۔!“

”میں نواب صاحب کے مافی الضمیر سے آگاہ ہو گیا۔!“ دارا سر ہلا کر بولا۔ ”آپ بتائیے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔!“

”بس میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی قسم کی ٹوٹ پھوٹ کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہ ہو۔ میں ذاتی طور پر لکھ کر دے سکتا ہوں کہ میری ٹوٹ پھوٹ کی ذمہ داری شاطر صاحب پر نہیں ہو گی۔!“

”آپ دونوں ہی اس طرح کی تحریر دے دیں تو بہتر ہو گا تاکہ میں بھی بری الذمہ ہو سکوں۔!“

دونوں نے اپنی اپنی تحریر دارا کے حوالے کی تھی اور لڑاکے مرغوں کی طرح ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے تھے۔

”ٹھہریئے۔“ دارا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہ بھی بتا دیجئے کہ فیصلہ پوائنٹس پر ہو گا یا ناک آوٹ پر اور کتنے راؤنڈز کی کشتی ہو گی۔ تیسری بات یہ کہ بال پکڑنا اور ناف کے نیچے گھونسہ مارنا یا پیر سے ضرب لگانا فاؤل قرار پائے گا۔!“

”مسلسل کشتی ہو گی۔!“ نواب شاطر نے گرج کر کہا۔ ”اور ہار جیت کا فیصلہ ناک آؤٹ پر ہو گا۔ راؤنڈز نہیں ہوں گے۔!“

”مجھے منظور ہے۔!“ عمران مسکرا کر بولا۔

”ہم جوتے اور کوٹ اتار دیں گے۔!“ نواب شاطر نے کہا۔

”ضرور.....ضرور.....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”دونوں نے جوتے اور کوٹ اتار دیئے اور پھر ایک دوسرے کے مقابل آئے۔ دارا نے سیٹی بجائی اور دونوں ایک دوسرے کے پنجے پکڑنے کے لئے گھات لگانے لگے۔

صفدر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس فضول حرکت کا انجام کیا ہو گا۔ کیا یہ محض عمران کی سنک تھی؟ یا کوئی بامقصد قدم تھا.....؟

دفعتاً عمران کے پنجے شاطر کی گرفت میں آ گئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے چھلانگ لگائی کہ شاطر کے اوپر سے گذرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا اور اس کے پنجے شاطر کی گرفت سے آزاد ہو گئے۔ پھر شاطر کے سنبھلنے سے پہلے ہی اُس کی فلائنگ کک شاطر کے شانوں پر پڑی اور وہ منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ شاطر کے ساتھیوں کے چہرے دھواں ہو کر رہ گئے تھے۔ شاطر بڑی تیزی سے اٹھا اور عمران پر جھپٹ پڑا۔ اس بار عمران نے جھکائی دے کر اُسے اپنی پشت پر لیا اور پھر اس طرح اچھال پھینکا جیسے وہ محض ایک کھلونا رہا ہو۔

دفعتاً شاطر کا ایک ساتھی زور سے بولا۔ ”یہ کشتی نہیں ہے۔!“

”پلیز خاموش رہیئے۔“ دارا نے کہا ”اس قسم کے فیصلے صرف میں کر سکتا ہوں آپ نہیں۔!“

اس بار عمران کی کمر شاطر کی گرفت میں آ گئی تھی اور وہ اُسے فرش سے اکھاڑ کر پٹخ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ دفعتاً عمران نے خود ہی قلابازی کھائی اور اسے بھی اپنے ساتھ ہی فرش پر لیتا چلا گیا اور بڑی پھرتی سے آرم لاک لگا دیا اور آہستہ سے بولا۔ ”ہار مان لو نواب صاحب ورنہ اس پر کوئی اور داؤ لگانے کی کوشش کرو گے تو شانہ اتر جائے گا۔!“

شاطر نے جواب میں ایک گندی سی گالی دی اور آرم لاک سے نجات پانے کے لئے زور لگانے لگا۔ لیکن پھر اچانک اس کے حلق سے کریہہ سی آواز نکلی اور وہ ایک دم ڈھیلا پڑ گیا۔ عمران کے قول کے مطابق ہاتھ شانے سے اکھڑ گیا تھا۔ عمران اُسے چھوڑ کر ہٹ گیا اور وہ دوسرے ہاتھ سے شانہ دبائے فرش پر لوٹتا رہا۔

دارا گنتی گننے لگا لیکن وہ گنتی پوری ہو جانے کے بعد بھی نہ اٹھ سکا۔

عمران نے شاطر کے ساتھیوں کیطرف دیکھ کر کہا۔ ”شانہ اتر گیا ہے اسے بٹھانے کی فکر کیجئے۔!“

اس کے دونوں ساتھی دارا کے سر ہو گئے کہ اُسی نے بات بڑھا کر ان دونوں کی کشتی کرا دی تھی اور وہ جانتا تھا کہ نواب صاحب کا مقابل ایک پیشہ ور پہلوان ہے۔!

”مسٹر عمران..... اور پیشہ ور پہلوان.....!“ دارا مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ ”انہیں کس چیز لی کمی ہے کہ یہ پیشہ ور پہلوان بن جائیں گے۔ نواب صاحب ہی کی طرح شوقیہ پہلوان ہیں۔ آپ دونوں براہِ کرم یہیں رک کر نواب صاحب کی دیکھ بھال کیجئے میں ہاتھ بٹھانے والے کو بلواتا ہوں۔ آیئے مسٹر عمران.....!“

وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ عمران اتنی دیر میں جوتے اور کوٹ پہن چکا تھا اس نے مڑ کر شاطر کی طرف دیکھا وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

زینے طے کرتے وقت دارا بولا۔ ”مسٹر عمران میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ اتنی اچھی

اور بے داغ کشتی لڑ سکتے ہیں۔ ذرا دیر کو میرے آفس میں تشریف لائیے۔!"

"ضرور... ضرور!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "فری اسٹائیل کشتی اور باکسنگ تو میری ہابیز میں سے ہیں۔!"

وہ دونوں دارا کے دفتر میں پہنچے اور دارا انہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے فون پر کسی سے گفتگو کرنے لگا۔!

"قیوم کو ہڈی بٹھانے کے سامان کے ساتھ فوراً کافی ہاؤز بھیج دو۔ دیر نہیں ہونی چاہئے۔!"

"پھر ریسیور رکھ کر گھنٹی بجائی۔ ایک ویٹر دروازہ کھول کر اندر آیا۔

"کافی لاؤ....!" دارا نے اس سے کہا اور اس کے چلے جانے کے بعد عمران سے بولا۔ "مسٹر عمران میرا ایک چھوٹا سا جمنیزیم بھی ہے۔ وہاں میں اپنے اتھلیٹس کو تربیت دیتا ہوں۔ اگر آپ کو فرصت ہو تو کبھی کبھی تشریف لایا کیجئے۔ مجھے بے حد خوشی ہو گی اگر آپ میرے لڑکوں کو کوچ کر دیا کریں۔ اس کے عوض میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں گا۔!"

"ضرور... ضرور... شام کو فرصت ہی فرصت ہوتی ہے۔ آپ مجھے جمنیزیم کا پتا دے دیجئے۔!"

"بہت بہت شکریہ عمران صاحب....!" دارا خوش ہو کر بولا۔ "میری خوش قسمتی تھی کہ آج آپ ادھر تشریف لے آئے۔ نواب شاطر کا اُبال بھی کم ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اب ادھر کا رخ کرنا ہی چھوڑ دے۔!"

"خواہ مخواہ مذاق ہی مذاق میں بات بڑھ گئی۔ مجھے افسوس ہے۔!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"آپ افسوس کر رہے ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی ہے۔!" دارا نے کہا۔ "آئے دن کسی نہ کسی سے الجھتا رہتا تھا۔ بارسوخ اور ذی حیثیت آدمی ہے۔ اس لئے کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ بات بات پر تو وہ گورنر کا حوالہ دیتا ہے۔!"

"عمران کچھ نہ بولا۔ اتنے میں ویٹر کافی لے آیا۔!"

ادھر صفدر مسلسل سوچے جا رہا تھا آخر بات کیا ہوئی۔ آئے تھے دارا کے بارے میں چھان بین کرنے اور ایک غیر متعلق آدمی سے کشتی لڑوا کر واپس جا رہے ہیں۔

عمران نے دارا سے جمنیزیم کا پتا لے لیا اور کافی پی کر اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا اب اجازت دیجئے مسٹر دارا۔ میرا خیال ہے کہ شائد ابھی آپ کو نواب صاحب سے بھی الجھنا پڑے۔ ان کے ساتھی آپ پر بھی کچھ الزامات عائد کر رہے تھے۔!"

"جھک مارتے رہیں۔ آپ بے فکر رہئے ان سے نپٹ لوں گا۔!" اس نے دونوں سے مصافحہ کیا

اور دفتر کے دروازے تک ساتھ آیا۔

* * *

سلیمان گلرخ کے خلاف دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔ مخاطب جوزف تھا اور گلرخ بھی دور بیٹھی سن رہی تھی۔ اپنے کان نہیں بند کر لئے تھے۔

سلیمان کہہ رہا تھا۔ "بھلا کس کی بدولت ادھر اُدھر ہاتھ مارنے پڑتے ہیں۔ بھیک تک پر گذارا کرنا پڑتا ہے۔ بول بتاتا کیوں نہیں ہے کہ کس کی بدولت....!"

"میں کیا بولے بھائی۔!" جوزف نے دانت نکال دیئے۔

"تو ہی تو سب سے بڑا دغا باز ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ شادی سے پہلے میری تحویل میں ہزاروں روپے ہوا کرتے تھے اور صاحب نے کبھی پلٹ کر حساب نہیں پوچھا۔!"

"ہاں میں جانتا....!" جوزف سر ہلا کر بولا۔

"اور شادی کے بعد سے وہ گھر کا خرچ اس کے ہاتھ میں دینے لگے۔ یہی نہیں بلکہ میری تنخواہ بھی اسی کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔!"

اشارہ گلرخ کی طرف تھا۔ وہ کچھ بولی نہیں بدستور منہ پھلائے بیٹھی رہی۔

جوزف نے سلیمان کو اس قضیئے کو ختم کر دینے کا اشارہ کیا لیکن وہ بدستور بکواس کرتا رہا۔ "اب بھی تو خود مجھے بھیک مانگنی پڑیگی۔ پتا نہیں وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جب میرے سر میں شادی کا سودا سمایا تھا۔!"

گلرخ سختی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے بیٹھی رہی۔ اگر عمران کی ہدایات پر عمل نہ کر رہی ہوتی تو ایک بار پھر سلیمان کی شامت آجاتی۔

سلیمان کی بکواس جاری ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ جوزف نے ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کون ہے۔!"

"جوزف....!" اس نے آواز پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مسٹر عمران موجود ہیں۔!"

"آپ کون ہیں۔!" جوزف نے انگلش میں پوچھا۔

لیکن اس کی بات کا جواب دیئے بغیر کہا گیا۔ "مسٹر عمران کو فون پر بلاؤ....!"

"باس اس وقت گھر پر موجود نہیں ہیں۔!"

”جب آئیں تو ان سے کہنا کہ ایس پی ہومی سائیڈ کو رنگ کریں۔!“

”بہت اچھا جناب....!“

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور پُر تشویش نظروں سے سلیمان کی طرف دیکھنے لگا۔

”کون تھا....؟“ سلیمان نے پوچھا۔

”ایس پی.... ہومی سائیڈ.... باس کو پوچھا تھا....!“

اتنے میں پھر فون کی گھنٹی بجی اور سلیمان نے جوزف ہی کو کال ریسیو کرنے کا اشارہ کیا۔

اس بار عمران کی کال تھی اور وہ یہی پوچھ رہا تھا کہ کسی کی کال تو نہیں آئی تھی۔

”ایس پی.... ہومی سائیڈ نے کہا تھا کہ جب واپسی ہو تو اُسے رنگ کرلیں۔!“ جوزف نے جواب دیا۔

”تجھ سے تو کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں کی تھی....؟“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں باس....!“

”ٹھیک ہے....!“ عمران نے کہا۔ ”تم دونوں محتاط رہنا....!“

”ہم ہوشیار ہیں باس....!“

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ جوزف نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے سلیمان سے کہا کہ اب وہ اس جھگڑے کو ختم کر کے دماغ ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرے۔

”سب ٹھیک ہے.... تو اپنی فکر کر!“ سلیمان نے جھلا کر کہا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد جوزف نے بھی اپنے کمرے کی راہ لی۔ گلرخ سٹنگ روم ہی میں بیٹھی رہی۔ کچھ دیر بعد پھر فون کی گھنٹی بجی گلرخ ہی نے کال ریسیو کی۔

”عمران کو بلاؤ....!“ دوسری طرف سے بھدی سی آواز آئی۔

”وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔!“

”کہاں ہے....!“

”آپ کون صاحب ہیں....!“

”میں پوچھ رہا ہوں... وہ کہاں ہے۔!“

”مجھے علم نہیں....!“

”کہہ دینا سالے سے کہ اب اُسکی خیر نہیں۔!“ دوسری طرف سے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

گلرخ سناٹے میں کھڑی رہ گئی۔ ریسیور کریڈل پر رکھنے کا ہوش نہ رہا۔ آخر وہ کون بد تمیز تھا جو عمران کے لئے ایسے بیہودہ الفاظ استعمال کر گیا تھا۔

”کچھ دیر بعد چونک کر ریسیور کریڈل پر رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بجنے لگی۔ اُس نے پھر ریسیور اٹھایا۔

”کون ہے....؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”کس سے ملنا ہے۔!“ گلرخ جھلا کر بولی۔

”یاد رکھو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”تم سب عزت سے بیٹھی نہ رہو گی۔ پورے گھر کا صفایا کر دیا جائے گا۔!“

”تو ہے کون بد تمیز....!“ گلرخ دھاڑی۔

”بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔!“ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ گلرخ کی دہاڑ شائد جوزف نے بھی سنی تھی۔ اس لئے سٹنگ میں دوڑا آیا تھا۔

”کیا بات....!“ اس نے گلرخ کے غضبناک چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا اور وہ ہانپ ہانپ کر اُسے دونوں کالز کے بارے میں بتانے لگی۔

”اوہ... باس کا معاملہ ایسا ہوٹا۔ ٹم فکر نہ کرے۔!“ جوزف ہنس کر بولا۔ ”میں ڈیکھے گا کون بولتا ہے۔!“

وہ کرسی کھینچ کر فون کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ گلرخ دوسری طرف جا بیٹھی۔ فون کی گھنٹی تھوڑی ہی دیر بعد بجی تھی۔ جوزف نے ریسیور اٹھالیا۔

”جوزف اسپیکنگ....!“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”عمران کو بلاؤ....!“ دوسری طرف سے کہا گیا.. اور جوزف نے کیپٹن فیاض کی آواز پہچان لی۔

”باس موجود نہیں ہیں۔!“

”جہاں کہیں بھی ہو۔ اس سے کہو کہ فوراً مجھ سے رابطہ قائم کرے۔!“

”مجھے نہیں معلوم جناب کہ وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔!“

”یہ بے حد ضروری ہے.... کوشش کرو....!“

”اچھی بات ہے.... جہاں جہاں ممکن ہے میں دیکھتا ہوں۔!“ جوزف نے کہا اور دوسری طرف

سے انقطاع کی آواز سن کر خود بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

”اس بار کون تھا.... !“ گلرخ نے پوچھا۔

”کیپٹن فیاض.... !“

”کیا کہہ رہا تھا۔ !“

”باس کو پوچھتا.... !“ جوزف نے کہا اور ریسیور کریڈل سے اٹھا کر رانا پیلس کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز آئی جسے جوزف ”طاہر صاحب“ کی حیثیت سے جانتا تھا۔

”میں جوزف ہوں۔ !“ اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”اگر باس موجود ہوں تو انہیں بلائیں۔ !“

”ہولڈ آن کرو.... !“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

تھوڑی دیر بعد عمران کی آواز آئی۔ ”کیا بات ہے۔ !“

”باس کوئی... بد تمیز بار بار فون پر بیہودہ باتیں کر رہا ہے اور تمہارے لئے دھمکیاں بھی سناتا ہے۔ !“

”فکر نہ کرو.... سنو اور ریسیور رکھ دو.... !“

”اور باس کیپٹن فیاض کی کال آئی تھی مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں مطلع کردوں کہ اُسے فوراً رنگ کرو۔ !“

”ٹھیک ہے.... !“

”مگر باس.... دھمکی والی کالز سے مجھے تشویش ہو گئی ہے۔ !“

”اچھا تو ایک نمبر نوٹ کرو۔ دھمکی والی کال آئے تو کال کرنے والے سے کہہ دیجیو کہ میں اس نمبر پر مل سکتا ہوں۔“

اس نے نمبر بتائے اور جوزف انہیں نوٹ ہی کر رہا تھا کہ دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ جوزف نے طویل سانس لے کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

◆

عمران نے کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔ جواب کیا ملا بلکہ سوال جڑ دیا گیا۔ ”تم کہاں ہو.... ؟“

”تمہیں اس سے کیا سروکار.... میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے کیوں فون کیا تھا مجھے۔ !“

”مقتول حقیقتاً بھکاری نہیں تھا۔ !“ فیاض نے اطلاع دی۔

”میرے لئے پرانی اطلاع ہے۔ !“

”کیا مطلب.... !“

”باسط رشید کسٹمز انٹیلی جنس سے متعلق تھا۔ !“

”تم پہلے ہی سے جانتے تھے۔ !“

”نہیں بعد میں معلوم ہوا تھا۔ !“

”تم آخر اس کے پیچھے کیوں تھے اور جوزف بھی اُسی اڈے کو کیوں استعمال کرتا رہا تھا۔ !“

”شائد تم نے پھر تھوڑی سی گھاس کھالی ہے۔ !“

”عمران معاملہ بیریس ہو گیا ہے۔ اس لئے سیدھی راہ پر آجاؤ۔ تم نے ہومی سائیڈ والوں کو گمنام کال کی تھی۔ !“

”کیا ثبوت ہے تمہارے پاس.... !“

”تم نے مجھے بھی اطلاع کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہومی سائیڈ والوں سے رابطہ رکھوں۔ !“

”یہ بھی سراسر بہتان ہے۔ !“

”تمہاری کال ریکارڈ ہو گئی تھی۔ !“

”اچھی بات ہے تو تمہیں یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا وہ میری ہی آواز ہے۔ !“

”سنو.... !“ کیپٹن فیاض نے بے حد سرد لہجے میں کہا۔ ”مقتول کی اصلیت معلوم ہو جانے کے بعد کیس ہمارے پاس آگیا ہے۔ !“

”بڑی خوشی ہوئی.... !“

”اچھی بات ہے تو اب تفتیش کا آغاز جوزف کی گرفتاری سے ہوگا۔ !“

اسے ہاتھ لگا کر دیکھو.... کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے۔ !“

”تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔ !“

”بے وجہ نہیں دے رہا۔ !“

”بہتری اسی میں ہے کہ سیدھے میرے پاس چلے آؤ.... !“

عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں سچ مچ فیاض جوزف کو پریشان نہ کرے۔ لہٰذا وہ رانا پیلس سے فلیٹ کی طرف چل پڑا۔

فلیٹ کے قریب پہنچ کر گاڑی روکی ہی تھی کہ دو قوی ہیکل آدمی سڑک کے دوسر کنارے سے اس کی گاڑی کی طرف بڑھے۔

عمران کی نظر ان پر پڑی تھی.... اور وہ انہیں کنکھیوں سے دیکھتا ہوا گاڑی سے اُترا تھا۔ دونو اس کے قریب پہنچ کر بیک وقت حملہ آور ہوئے۔ عمران ہوشیار تھا پھرتی سے ایک جانب ہٹا او وہ دونوں گاڑی سے ٹکرا کر رہ گئے۔ پھر وہ انہیں اتنی مہلت کب دے سکتا تھا کہ وہ دوبارہ پلٹ ک اس پر حملہ کر سکتے۔

ایک کی گردن پر کراٹے کا ہاتھ پڑا تھا اور دوسرے کی بائیں کنپٹی پر بایاں ہاتھ۔

دونوں تناور درختوں کی طرح ڈھیر ہو گئے۔ اتنے میں سارجنٹ نعمانی اور لیفٹیننٹ صدیقی بھ وہاں پہنچ گئے۔ عمران کو نواب شاکر کے آدمیوں کی طرف سے غنڈہ گردی کا خدشہ تھا۔ اس لئ اس نے فلیٹ کی نگرانی پر ان دونوں کو مامور کیا تھا۔ وہ دونوں بے حس و حرکت ہو گئے تھے۔

"دونوں کے ہتھکڑیاں لگا کر سائیکو مینشن لے جاؤ۔!" عمران نے نعمانی سے کہا۔ بھیڑ اکٹھ ہونے لگی تھی۔ ڈیوٹی کانسٹیبل بھی دوڑا آیا تھا۔ لیکن جب اس نے بے ہوش آدمیوں ک ہتھکڑیاں لگتی دیکھیں تو مجمعے کو ہٹانے لگا۔ اوپر سے جوزف اور سلیمان بھی آ گئے تھے۔

"کک.... کیا ہوا باس....!" جوزف نے عمران کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"وہ جو دھمکیاں دیتا رہا تھا فون پر.... اُسی کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔!"

نعمانی اور صدیقی نے بے ہوش قیدیوں کو وین میں ڈالا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔

عمران کے پڑوسیوں نے استفسار حال کیا تھا۔ جواب میں اُس نے کہا۔ "بہت ہی اعلیٰ پیانے کے گرہ کٹ تھے۔ بہت دور سے پیچھے لگے چلے آئے تھے۔ میں نے راستے میں رک کر سی آئی ڈ والوں کو فون کر دیا۔!"

"گاڑی پر تھے....؟" کسی نے پوچھا۔

"اسی بنا پر تو انہیں اعلیٰ قسم کا گرہ کٹ کہہ رہا ہوں۔!"

بات ختم ہو گئی اور وہ فلیٹ میں پہنچا تھا اور سلیمان کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ "دیکھا تو نے یہ بھی اُسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔!"

"یعنی اس بھکاری کے قتل کے سلسلے کی....!"

"ہو سکتا ہے....؟" عمران سر ہلا کر بولا اور کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ دھمکی دینے والا....!" سلیمان کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"تو کیا جانے....!"

جوزف نے بتایا تھا۔

"ابھی تک جوزف سے تیرے تعلقات خراب نہیں ہوئے۔!"

"بس ذرا سی غلطی ہو گئی تھی۔ اگر آپ کے میک اپ کے سامان والی الماری کی کنجی بھی مل گئی ہوتی تو کیپٹن فیاض کے والد صاحب بھی جوزف کو نہ پہچان سکتے۔!"

"اُوہو.... تو ابھی حسرت ہے دل میں۔!"

"آپ خود سوچئے.... چار گھنٹے میں اڑھائی تین سو روپے کیا بُرے تھے اور اب تو میں خود بھی بھیک مانگا کروں گا۔ تاکہ یہ آفت واقعی مجھے چھوڑ کر چلی جائے۔"

اشارہ گلرخ کی طرف تھا۔ عمران ہنس کر بولا۔ "اُس کا تو خیال ہے کہ وہ بیوگی کا تجربہ بھی کرے گی۔ چھوڑ کر جانا ہوتا تو بہتیرے مواقع آئے تھے۔!"

"تو پھر کسی دن گردن مروڑ کر خود رنڈوا ہو جاؤں گا۔!"

"بلاؤں....!" عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

"نہیں باس خدا کیلئے!" جوزف گڑگڑایا۔ "یہ دونوں لڑتے ہیں تو مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔!"

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ خود اُسی نے ریسیور اٹھایا تھا دوسری طرف سے صفدر کی آواز آئی۔ "قیدی سائیکو مینشن پہنچ گئے ہیں۔ انہیں ہوش بھی آ گیا ہے اور وہ طرح طرح کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔!"

"تم نے کیا معلوم کیا.... کس سے تعلق رکھتے ہیں۔!" عمران نے پوچھا۔

"کچھ اگلنے پر تیار نہیں۔ سمجھ رہے ہیں کہ شائد سی آئی ڈی والوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔!"

"فکر نہ کرو... میں خود آ رہا ہوں۔!" ریسیور کریڈل پر رکھ کر جوزف کیطرف مڑا اور بولا۔ "ایک بار پھر اچھی طرح ذہن نشین کر لے۔ کیپٹن فیاض تجھ سے کچھ اگلوا لینے میں کامیاب نہ ہونے پائے۔!"

"فکر نہ کرو باس.... تھرڈ ڈگری بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور میں کیپٹن فیاض سے برابری کے لیول پر بات کروں گا۔ وہ مجھے سمجھتے کیا ہیں۔!"

"ٹھیک ہے۔!" عمران نے کہا اور سلیمان سے بولا۔ "تم دونوں تو اس کے اس خیال کو ہنسی میں اڑا دینے کی کوشش کرنا۔!"

"اور نہیں تو کیا بیٹھ کر کیپٹن فیاض کی پوجا کروں گا۔ مجھے وہ دن یاد ہے جب وہ پالتو کتے کی طرح آپ کے پیچھے پھرا کرتا تھا۔!"

گل رخ کو الگ لے جا کر عمران اس سے بولا۔ "اگر کیپٹن فیاض ذرا سی بھی بدتمیزی کا لہجہ اختیار کرے تو فوراً ڈیڈی کو فون کر دینا۔!"

"جی بہت اچھا۔۔۔!" گلرخ نے کہا۔

بہر حال عمران انہیں پکا کر کے سائیکو مینشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہاں سب سے پہلے صفدر ہی سے ملاقات ہوئی اور اس نے اطلاع دی کہ "وہ دونوں تو ایسے اونچے لہجے میں گفتگو کر رہے ہیں جیسے گورنر کے آدمی ہوں۔!"

"انہیں کہاں رکھا ہے۔!"

"حوالات نمبر چار میں۔۔۔!"

"میں دیکھتا ہوں۔۔۔!" عمران نے کہا اور سائیکو مینشن کی حوالات کی طرف چل پڑا۔

یہ ایک بڑا کمرہ تھا جس کے درمیان سلاخوں دار پارٹیشن تھا۔ سلاخوں کی دوسری طرف وہی دونوں حملہ آور کھڑے نظر آئے۔

عمران پر نظر پڑتے ہی دونوں چونک پڑے تھے لیکن خاموش کھڑے اُسے اس طرح دیکھتے رہے جیسے آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔

"اب تم لوگ غالباً سمجھ گئے ہو گے کہ میں کون ہوں۔!" عمران نے کہا۔

"ہمیں آخر کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔!" ان میں سے ایک بولا۔

"یہ معلوم کرنے کے لئے کہ تیسرا آدمی کون تھا۔!"

"کک۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔!"

"پچھلی رات کی بات ہے۔۔۔ اسٹار ہوٹل کے قریب والے جنک یارڈ میں تم نے اس پر حملہ کیا تھا۔!"

"ہم نہیں جانتے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔!"

"مجھ پر کس کے حکم سے حملہ آور ہوئے۔!"

"نہیں تو۔۔۔ قطعی نہیں۔۔۔ ہم تو جناب آپ سے کسی کا پتا پوچھنا چاہتے تھے۔!"

"کس کا پتہ پوچھنا چاہتے تھے۔!"

"شریف الدین پٹھان کا۔۔۔ اُسی علاقے میں کہیں رہتے ہیں۔!"

"ہماری تھرڈ ڈگری بے حد خطرناک اور خوفناک ہوتی ہے۔!" عمران نے کہا۔

گفتگو کرنے والا تھوک نگل کر رہ گیا۔

"تم سچ بولنے کی کوشش کرو۔۔۔!" عمران نے دوسرے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"یہ گونگا ہے۔!" دوسرا جلدی سے بولا۔

"تب پھر اسے تمہارے پاس نہیں رہنا چاہئے۔!" عمران نے کہہ کر گھنٹی بجائی اور دو مسلح آدمی اندر آئے۔

عمران نے دوسرے قیدی کی طرف اشارہ کر کے مسلح آدمیوں سے کہا۔ "اسے نمبر تین میں لے جاؤ۔!"

"یہ گونگا ہے۔۔۔ اکیلا نہیں رہ سکے گا۔!" دوسرے نے کسی قدر سراسیمہ ہو کر کہا۔ لیکن عمران اس کی طرف توجہ دیئے بغیر باہر نکل آیا۔ تھوڑا وقت ادھر اُدھر گذار کر وہ حوالات نمبر تین کی طرف چل پڑا۔

اسے یقین تھا کہ دوسرا آدمی گونگا نہیں ہے۔ حوالات نمبر تین میں اُسے اسی لئے بھجوایا تھا کہ اُسے شارٹ سرکٹ ٹی وی پر تھرڈ ڈگری کے مناظر دکھائے جائیں۔

یہاں بھی سلاخوں دار پارٹیشن تھا اور ایک جانب شارٹ سرکٹ ٹی وی بھی رکھا ہوا تھا۔ عمران نے قیدی کو ٹی وی کی طرف اسطرح متوجہ کیا جیسے سچ مچ اُسے گونگا ہی سمجھتا ہو اور پھر ٹی وی کا سوئچ آن کر کے اسکا سلسلہ اُس کمرے سے ملا دیا جس میں بہت بڑے بڑے گوشت خور چوہے تھے۔ قیدی نے حیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور پھر اُس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات نظر آئے۔

عمران بہ آواز بلند کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں اس لئے یہاں لایا ہوں کہ تم بولنا شروع کر دو۔ یہ کمرہ اسی عمارت میں واقع ہے۔ اگر تم یہاں نہ بول سکے تو اس کمرے میں پہنچ کر یقیناً بولنا شروع کر دو گے۔ ویسے ابھی تمہارے چہرے پر کسی قدر سچائی کا نور باقی ہے۔ تمہیں جس کام میں الجھایا گیا ہے تمہیں پسند نہیں ہے لیکن تمہاری اپنی بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔ اگر تم سرکاری گواہ بن جاؤ تو تمہیں سزا سے بھی بچایا جاسکتا ہے۔ دیکھو ان بھوکے چوہوں پر بھوک کا کس قدر غلبہ ہے کہ یہ

آپس میں ایک دوسرے کو کاٹنے بھنبھوڑنے لگے ہیں۔ اب اگر ایسے میں کوئی اور جاندار ان کے درمیان پہنچ جائے تو یہ اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔!“

ٹی وی کا سوئچ آف کر کے وہ پوری طرح قیدی کی طرف متوجہ ہو گیا اور بے حد نرم لہجے میں پوچھا۔ ”کیا واقعی تم گونگے ہو۔!“

”جی نہیں۔۔۔۔!“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”مجھے یقین تھا اسی لئے تمہیں اس سے الگ کیا تھا۔ اچھا تم ہی بتاؤ کہ پچھلی رات تیسرا کون تھا۔!“

”جواد۔۔۔۔!“

”خنجر کس نے مارا تھا۔۔۔۔؟“

”جواد ہی نے۔!“

”مجھ پر کس نے حملہ کرایا تھا۔۔۔۔؟“

”جواد ہی نے۔!“

”تمہیں معاوضہ کس سے ملتا ہے۔۔۔۔؟“

”جواد ہی سے۔۔۔۔!“

”جواد کہاں ملے گا۔۔۔۔؟“

”ہم نہیں جانتے کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ وہ خود ہی ہم سے ملتا ہے۔ کام لیتا ہے اور معاوضہ ادا کر دیتا ہے۔!“

”لیکن کل رات وہ خود بھی تمہارا شریک کار تھا۔۔۔۔!“

”جی ہاں۔۔۔۔!“

”اس کا حلیہ بتاؤ۔۔۔۔!“

”میرے ہی قد کے برابر ہے میرا ہی جیسا جسم رکھتا ہے۔ ناک پر ایسا نشان ہے جیسے کبھی اسے کاٹنے کی کوشش کی گئی ہو۔ بائیں بھوں بالکل سفید ہو گئی ہے داہنی بالکل سیاہ ہے۔ ڈاڑھی مونچھیں مونڈتا ہے۔!“

”وہ تم سے کس طرح رابطہ قائم کرتا ہے۔!“

”فون پر جناب۔۔۔۔ میں کنگ کمپنی میں ملازم ہوں۔ وہ مجھے فون پر اطلاع دیتا ہے کہ اس سے

کب اور کہاں ملنا ہے۔!“

”زیادہ تر کہاں ملاقاتیں ہوتی ہیں۔!“

”سلطان اسٹریٹ میں کیفے خیابان ہے۔ وہیں بلاتا ہے زیادہ تر۔۔۔۔!“

”تمہارا ساتھی کہاں کام کرتا ہے۔!“

”اس نے مجھے اپنے بارے میں آج تک کچھ نہیں بتلایا اور نہ وہ یہی جانتا ہے کہ میں کہاں کام کرتا ہوں۔!“

”نام تو جانتے ہی ہو گے۔!“

”جواد اُسے ساگر کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔!“

”اور تمہارا کیا نام ہے۔!“

”ضرغام۔۔۔۔ یقین کیجئے کہ میں ان لوگوں میں پھنس گیا ہوں۔ پہلے جواد مجھ سے صرف پیغام رسائی کا کام لیتا رہا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کبھی مجھے قتل اور مار پیٹ میں بھی ملوث ہونا پڑے گا۔ آپ کی تصویر دی گئی تھی اور گھر کا پتہ بتایا گیا تھا۔!“

”کیا مجھے بھی قتل ہی کر دینے کو کہا گیا تھا۔!“

”جی نہیں۔۔۔۔ بس اس حد تک کارروائی کو کہا گیا تھا کہ آپ کچھ دنوں کیلئے اسپتال پہنچ جائیں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپکا تعلق خفیہ پولیس سے ہے تو کم از کم میں ہرگز اس چکر میں نہ پڑتا۔!“

”خیر فکر نہ کرو اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔۔۔۔ تم یہاں آرام سے رہو گے۔!“

عمران حوالات نمبر تین سے نکل کر پھر حوالات نمبر چار کی طرف چل پڑا۔ اس بار اُس نے یہاں کے قیدی کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خوداعتادی رخصت ہو گئی ہو۔

عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔۔۔۔ اور وہ گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”جواد کا پتہ چاہئے ساگر۔۔۔۔!“

”مم۔۔۔۔ میں نہیں جانتا۔۔۔۔!“

”وہ فقیر تمہارے خنجر سے ہلاک ہوا تھا۔ لہٰذا تم اپنی گردن نہیں بچا سکو گے اور مقتول کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ اُس کا تعلق بھی ایک سرکاری محکمے سے تھا اور اس نے کچھ مجرموں کا پتا لگانے کے لئے فقیر کا بہروپ بھرا تھا۔!“

”مم۔۔۔۔ غلط ہے۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ میں نے نہیں۔۔۔۔ ج ج جواد نے اُسے ہلاک کیا تھا۔ ہم نے تو اُسے

صرف گھیرا تھا۔ !“

”قتل کرنے کے بعد اس کی جامہ تلاشی تم نے لی تھی۔ !“

”نن نہیں تو.... وہ گرا تھا اور جواد ہی کے کہنے پر ہم وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ !“

”جواد نے اُس کی جیب سے کیا نکالا تھا۔ !“

”مجھے علم نہیں.... !“

”خیر بہر حال اگر تم سچ بھی کہہ رہے ہو تو تمہاری گردن اُسی صورت میں بچ سکے گی جب جواد ہمارے ہاتھ لگ جائے۔ !“

”مم.... میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ملے گا۔ !“

”دیکھو.... ساگر.... جس طرح گونگا بول پڑا ہے اُسی طرح وہ ایک تحریری بیان بھی دے سکتا ہے۔ جس کی رو سے سرکاری افسر تمہارے خنجر سے ہلاک ہوا تھا۔ !“

”خنجر کے دستے پر میری انگلیوں کے نشانات نہیں ملیں گے۔ !“

”ضرغام کے بیان کے مطابق تم دستانے پہنے ہوئے تھے۔ !“

”یقیناً.... اُس وقت جواد نے دستانے پہن رکھے تھے۔ !“ ساگر جلدی سے بولا۔

”بہر حال.... ضرغام کے بیان پر تم کہیں کے کہیں پہنچ سکتے ہو۔ !“

ساگر تھوک نگل کر رہ گیا۔ عمران اُسے بغور دیکھے جا رہا تھا۔ دفعتاً ساگر نے کہا۔ ”میں نہیں جانتا کہ جواد کہاں رہتا ہے۔ !“

اور پھر جواد کے بارے میں اُس نے بھی وہی بیان دیا جو ضرغام دے چکا تھا۔ عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”تمہارا اصل پیشہ کیا ہے اور ان لوگوں سے تمہارا رابطہ کس طرح ہوا تھا۔ !“

”میں نیشنل انجینئرنگ ورکس میں فورمین ہوں۔ ایک بار مجھ سے ایک بڑی غلطی سرزد ہوئی تھی خدشہ تھا کہ ملازمت ہی سے ہاتھ دھو بیٹھوں کہ ایک اجنبی کی ٹیلی فون کال آئی۔ جس نے مجھے تشفی دی کہ ملازمت پر زوال نہیں آنے دیا جائے گا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ میں اُس سے مل لوں۔ اُس نے اپنی نشانی بتا کر کہا تھا کہ میں اس سے سلطان اسٹریٹ کے کیفے خیابان میں مل سکتا ہوں۔ !“

”ہوں.... !“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اس کے بعد بھی وہیں ملتا رہا ہے۔ !“

”جی ہاں.... جب بھی کوئی مہم درپیش ہوتی ہے وہیں طلب کرتا ہے۔ یا صرف ہمیں ہدایات

ے کر روانہ کر دیتا ہے۔ یا خود بھی ہمارے ساتھ ہو لیتا ہے۔ !“

”اب تک کتنی مار پیٹ اور کتنے قتل ہو چکے ہیں تم دونوں کی مدد سے۔ !“

”یقین کیجئے جناب عالی کہ یہ پہلا موقع تھا کہ اس قسم کے کسی کام میں ہمیں استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ س سے پہلے تو ہم مال سے بھرے ہوئے ٹرک ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنی نگرانی میں پہنچایا کرتے تھے۔ !“

”کس قسم کا مال.... !“

”ہمیں اس کا علم کبھی نہیں ہو سکا۔ مال بند پیٹیوں میں ہوتا ہے۔ !“

”ٹرک کہاں سے کہاں کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ !“

”کسی ایک جگہ سے روانہ نہیں ہوتے.... شہر کے کسی بھی حصے سے روانہ ہو کر اندرون ملک جاتے ہیں۔ !“

”کئی کئی دن کا سفر ہوتا ہوگا۔ !“

”جی ہاں.... !“

”تو تمہیں اپنے کارخانے سے کس طرح چھٹی مل جاتی ہے۔ !“

”چھٹی کا انتظام بھی جواد ہی کرتا ہے۔ !“

”اندرون ملک کہاں کہاں ٹرک لے جاتے ہو۔ !“

”سپر ہائی وے کے چار سویں میل تک ہم جاتے ہیں اور پھر وہاں سے کوئی دوسرا اپنی نگرانی میں ٹرکوں کو آگے لے جاتا ہے۔ اس لئے کم از کم ہم دونوں یہ نہ بتا سکیں گے کہ اُن ٹرکوں کی آخری منزل کہاں ہوتی ہے۔ !“

”معاوضہ کس سے ملتا ہے۔ !“

”جواد ہی سے.... جواد کے علاوہ ہم اور کسی کو نہیں جانتے۔ !“

پھر ساگر نے جواد کا وہی حلیہ بتایا جو ضرغام بتا چکا تھا۔

”اچھی بات ہے.... ساگر جب تک ہماری تفتیش مکمل نہیں ہو جاتی۔ تم یہیں رہو گے۔ !“ عمران نے اُس سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد عمران صفدر کے کمرے میں داخل ہو کر بولا۔

”نعمانی اور صدیقی کو بھی یہیں بلا لو.... !“

صفدر نے فون پر دونوں سے رابطہ قائم کر کے اپنے کمرے میں پہنچنے کو کہا لیکن اُن سے پہلے جولیانا فنٹر واٹر پہنچ کر عمران کو گھورتی ہوئی بولی۔ "سنا ہے کہ آج تم مرتے مرتے بچے ہو۔!"

"آج ہی پر کیا منحصر ہے۔ جب سے پیدا ہوا ہوں۔ بچتا ہی آ رہا ہوں۔ لیکن اس وقت یہاں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔!"

"میں انچارج ہوں۔!" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ "میرے علم میں لائے بغیر سائیکو مینشن میں کوئی کام نہیں ہو سکتا۔!"

"لو بھئی.... کمال ہو گیا۔!" عمران صفدر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ ایکس ٹو کے احکامات کو غلط سمجھی ہیں۔!"

"کیا مطلب....!" جولیا نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

"ایکس ٹو کا مطلب یہ تھا کہ سائیکو مینشن میں میری موجودگی کے دوران میں تم صرف باورچیخانے کی انچارج ہو گی۔ لہٰذا جاؤ اور چار افراد کے لئے کافی بھجوا دو.... شکریہ۔!"

وہ جھلا کر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ نعمانی اور صدیقی کمرے میں داخل ہوئے اور پھر عمران ایسا بن گیا جیسے اُسے وہاں جولیا کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔ لیکن وہ بھی وہاں سے ٹلی نہیں تھی۔ ایک کرسی کھینچ کر خود بھی میز کے قریب ہی جم گئی۔

عمران ساگر اور ضرغام کی روداد دہراتا ہوا بولا۔

"اس طرح تین جگہیں ہمارے علم میں آئی ہیں۔ کیفے خیابان کنگ کمپنی اور نیشنل انجینئرنگ ورکس!"

"دارا کافی ہاؤز کو آپ بھولے جا رہے ہیں۔!" صفدر بولا۔

"وہ تو ہے ہی لسٹ پر....!" عمران نے کہا۔

"لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ آپ نے اُن دونوں کو اچانک باسط رشید پر حملہ کرنے والوں کی حیثیت سے کیسے پہچان لیا۔!" صفدر نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

"محض قیاس تھا جو حقیقت بن گیا ورنہ اندھیرے میں ان کی شکلیں نہیں دیکھ سکا تھا۔!"

"اب سوچنے کی بات ہے یہ کہ اس وقت انہوں نے آپ پر حملہ کیوں کیا....؟ کیا انہوں نے پچھلی رات آپ کو باسط رشید کا تعاقب کرتے دیکھا تھا۔!"

"میرا خیال ہے کہ نہیں ورنہ اس وقت وہ مجھے مار ڈالنے کے لئے حملہ آور ہوتے۔ محض ہسپتال پہنچانے کے لئے جواد نے انہیں ہدایت دی تھی کہ اس حد تک ٹوٹ پھوٹ ہونی چاہئے کہ میں کچھ دنوں کے لئے ہسپتال پہنچ جاؤں۔!"

"بات سمجھ میں نہیں آئی....!" نعمانی بولا۔

"انتقامی کارروائیاں اسی نوعیت کی ہوتی ہیں۔!" عمران صفدر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا تم نواب شاکر علی شاطر کو بھول گئے۔ ہو سکتا ہے یہ انتقامی کارروائی اسی کی طرف سے ہوئی ہو۔!"

"لیکن آپ دارا کو بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر نواب شاطر کا تعلق بھی انہی لوگوں سے ہوتا تو دارا کبھی اُس کشتی کے لئے فریقین کی حوصلہ افزائی نہ کرتا۔!"

"ہو سکتا ہے کہ دارا کو اس کا علم ہی نہ ہو کہ نواب شاطر بھی اس گروہ سے متعلق ہے۔ بالکل اُسی طرح جیسے ساگر اور ضرغام، جواد کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتے۔!"

"سوال تو یہ ہے کہ اس کیس کا ہمارے محکمے سے کیا تعلق....!" جولیا بول پڑی۔ "مجھے تو یہ سول پولیس سے آگے کی بات نہیں معلوم ہوتی۔!"

"یہ میرا نجی کیس ہے۔!" عمران نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

لفظ نجی پر جولیا بھڑک اٹھی۔ لیکن عمران اُس کی طرف توجہ دیئے بغیر اُن تینوں سے بولا۔ "صفدر تم کیفے خیابان کو دیکھو نعمانی کنگ کمپنی پر نظر رکھیں گے اور مسٹر صدیقی تم نیشنل انجینئرنگ ورکس کو دیکھو گے۔ جواد کا حلیہ اچھی طرح ذہن نشین کر لو....!"

وہ ضرغام اور ساگر کا بتایا ہوا حلیہ ایک بار پھر دہرانے لگا۔ اس کے بعد وہ تینوں اٹھ کر کمرے سے نکل گئے تھے۔ لیکن جولیا اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں تھی۔ بیٹھی عمران کو اس طرح گھورے جا رہی تھی جیسے دوسرے ہی لمحے میں جھپٹ پڑے گی اور عمران کے رویئے سے اب بھی ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے اُسے کمرے میں جولیا کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

"تم خود ہی اپنی قبر کھود رہے ہو۔!" جولیا نے کچھ دیر بعد کہا اور عمران اس طرح اچھل پڑا جیسے سر پر کوئی چیز گری ہو۔

ہونقوں کی طرح جولیا کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا "کیا میں نے تمہیں کوئی کام نہیں بتایا تھا۔!"

"مجھے باتوں میں نہیں اڑا سکتے۔ سمجھے۔!" جولیا اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

"سوال یہ ہے کہ مجھے تمہیں باتوں میں اڑانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔!"

”تم ان کے نرم رویئے پر نہ جاؤ۔ تمہاری عدم موجودگی میں یہ سب جس انداز میں تم سے متعلق گفتگو کرتے ہیں....!“

”مجھے علم ہے۔!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میرے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ بہر حال انہیں وہ سب کچھ کرنا ہی پڑتا ہے جو میں کہتا ہوں۔!“

”تم آخر کیوں ادھر اُدھر کے وبال سمیٹتے پھرتے ہو....؟“

”خود نہیں سمیٹتا۔ بلکہ یہ فتنے خود ہی سمٹ سمٹا کر میرے سر آپڑتے ہیں۔!“

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ عمران نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز آئی۔ ”سی آئی بی کے انسپکٹر شاہد نے جوزف کو حراست میں لے لیا ہے۔!“

”اچھی بات ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔!“ کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا اور پھر کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائیل کئے۔ وہ آفس سے اٹھ چکا تھا۔ گھر پر رنگ کیا۔ کال فیاض ہی نے ریسیو کی تھی۔

”انسپکٹر شاہد نے جوزف کو حراست میں لے لیا ہے۔!“ عمران نے کہا۔

”وہ تو ہونا ہی تھا۔!“ فیاض نے خشک لہجے میں کہا۔

”اچھا تو سنو کہ اب کیا ہونا ہے۔ اگر اس پر ذرہ برابر بھی تشدد کیا گیا تو تم سبھوں کی مٹی پلید کر دوں گا۔ اسے لکھ لو۔ قبلہ والد صاحب بھی اس معاملے میں آڑے نہ آسکیں گے۔!“

پھر اُس نے اس سے کچھ سنے بغیر رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

جولیا اسے حیرت سے دیکھتی رہی تھی۔ آخر بے حد نرم لہجے میں بولی۔ ”بات کیا ہے۔ مجھے بھی بتاؤ۔!“

”اب تو بتانا ہی پڑے گا کیونکہ شائد اب میں پورے محکمے کو استعمال کر بیٹھوں۔!“ عمران نے کہا اور اُسے جوزف اور سلیمان کی اس بیہودگی کے بارے میں بتانے لگا جس نے اب ایک خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔

جولیا کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور عمران اُسے گھورتا ہوا غرایا۔ ”تم بھی ہنس رہی ہو۔!“

”تم سے تعلق رکھنے والے سارے افراد بھی تمہی جیسے ہو کر رہ گئے ہیں۔!“ جولیا ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

”اچھی بات ہے جب تک ہنسی آئے ہنستی رہو....!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

”بیٹھو.... بیٹھو....!“ جولیا ہاتھ ہلا کر بولی۔ ”انسپکٹر شاہد کے خلاف میرے پاس خاصا مواد ہے۔ شائد تم اُسے ایکسپلائٹ کر سکو....!“

”اوہو.... تو بتاؤ نا....!“

”مگر اس نے جوزف کو حراست میں لیا ہے تو ابھی آفس ہی میں ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ تھرڈ ڈگری ستعمال کرنے کی فکر میں ہو۔ لہٰذا تم اُس سے فون پر رابطہ قائم کر کے صرف اتنا کہہ دو کہ گیارہ اپریل کو بلیو اسٹار کی مالکہ سے اُس کا جو زبانی معاہدہ ہوا تھا اس کا ریکارڈڈ ٹیپ تمہارے پاس موجود ہے۔!“

”کیا واقعی ایسی کوئی بات ہے۔!“

”ہاں.... حقیقتاً.... تم آزما سکتے ہو اس دھمکی کو....!“ جولیا نے کہا۔

عمران نے شاہد کے آفس کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے کوئی اور بولا تھا عمران نے نسپکٹر شاہد کے لئے کہا۔

”ہولڈ آن کیجئے.... یور آئیڈینٹی پلیز....!“

”علی عمران....!“

”بہتر جناب....!“

”تھوڑی دیر بعد شاہد کی آواز آئی اور اس نے عمران کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کہا۔ ”میں بے قصور ہوں جناب.... حکم حاکم مرگ مفاجات....!“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم تھرڈ ڈگری سے احتراز کرو گے۔!“

”بالکل جناب یہ ایک قطعی ضمنی سی کارروائی ہے اگر آپ چاہیں تو جوزف سے بھی گفتگو کر سکتے ہیں۔؟“

”نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ فیاض کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ کالوں کی بستی میں چلے جاؤ۔ جوزف کے کئی ہمشکل مل جائیں گے۔!“

”جی ہاں.... یہی تو میں بھی سوچ رہا تھا۔ مگر بڑے صاحب کچھ سنتے ہی نہیں کیا کروں۔ بہر حال جوزف کو دو ایک گھنٹے روک کر چھوڑ دوں گا۔ آپ مطمئن رہیں اور تھرڈ ڈگری کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔!“

”شکریہ....!“ کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا۔

”بہر حال دھمکی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔!“ عمران نے جولیا سے کہا۔ ”ویسے ہی وہ خاصا سعادت مند ہو رہا ہے۔!“

”کیپٹن فیاض کے خلاف بھی میرے پاس مواد ہے۔!“

”پھر کسی موقع کیلئے اٹھا رکھو... میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ کسی کو بلیک میل نہ کرنا پڑے۔!“

”میں آج تک نہیں سمجھ سکی کہ کیپٹن فیاض تم سے کیوں اس قدر الجھتا رہتا ہے جبکہ اس کی تی رفتار ترقی میں تمہارا ہی ہاتھ رہا ہے۔!“

عمران ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔ ”تم نہیں سمجھیں۔!“

”نہیں میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آئی۔!“

”جب وہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ اور سپرنٹنڈنٹ تھا تب میری خوشامد کیا کرتا تھا۔ اب دھون دھڑلے سے کام نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ دشمن نہیں ہے میرا۔ اب خوشامد کرتے ہوئے شر آتی ہے۔ ڈپٹی ڈائریکٹر ہو گیا ہے نا۔!“

”تم ہی برداشت کرتے ہو۔ تمہاری جگہ میں ہوتی تو اب تک اسکی ہڈیاں بھی خاک ہو چکی ہوتیں۔!“

”ارے نہیں ایسا بھی کیا.... یہ سب میری دلچسپی کی چیزیں ہیں۔!“

”بہر حال.... یہ اسمگلنگ وغیرہ کا چکر ہے۔ ہمارے محکمے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔!“

”ہو سکتا ہے۔!“ عمران نے پُر تفکر لہجے میں کہا۔ پھر یک بیک چونک کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”می ابھی آیا۔!“

صفدر کے کمرے سے نکل کر وہ سیدھا حوالات نمبر تین کی طرف آیا جہاں ضرغام کو رکھا گیا تھا۔ عمران کو دیکھ کر وہ اٹھ گیا اور عمران نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا۔ ”تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔!“

”جی نہیں.... شکریہ....!“

”مجھ پر حملہ کرنے کی ہدایت اُس نے تمہیں کیفے خیابان میں طلب کر کے دی تھی۔!“

”مجھے تو یہ سب کچھ ساگر سے معلوم ہوا تھا۔ آپ کی تصویر بھی اُسی نے دکھائی تھی۔!“

”تو گویا اس نے صرف ساگر کو کیفے خیابان میں طلب کیا تھا۔!“

”جی ہاں....!“

عمران نے پھر اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہاں سے وہ حوالات نمبر چار میں پہنچا۔ ساگر ایک گوشے میں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ عمران کی آہٹ پر چونک پڑا۔

”کوئی خاص بات نہیں۔!“ عمران نے نرم لہجے میں کہا۔ ”صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرے سلسلے میں جواد سے کہاں ملاقات ہوئی تھی۔!“

”آپ کے سلسلے میں ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ فون پر پیغام ملا تھا کہ میں کیفے خیابان کے منیجر سے ملوں۔ وہ مجھے ایک لفافہ دے گا جس میں درج شدہ ہدایات پر عمل کیا جائے۔ اسی لفافے میں آپ کی تصویر تھی اور پتا وغیرہ تحریر کیا گیا تھا۔!“

”ہوں....!“ عمران پر تفکر لہجے میں بولا۔ ”ایک بات اور.... یہ بڑی غیر فطری سی بات ہے کہ تم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہو کہ اُن پیٹیوں میں کیا ہوتا ہے جنہیں تم ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے ہو۔!“

”آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔ کبھی کبھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ معلوم کیا جائے لیکن پھر ہمت نہیں پڑتی۔ وہ خطرناک لوگ معلوم ہوتے ہیں جناب ہمیں ہر وقت اپنی جانوں کا خطرہ رہتا ہے۔!“

”یہ بھی قدرتی بات ہے۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اچھا یہ بتاؤ اس سے پہلے بھی کبھی تمہیں کیفے خیابان کے منیجر کے توسط سے کچھ ملا تھا۔!“

”کبھی نہیں جناب.... یہ پہلا موقع تھا۔ اس سے پہلے ہمیشہ جواد نے بہ نفس نفیس ہم سے گفتگو کی تھی۔!“

”ہوں....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اچھی بات ہے کوشش کی جائے گی کہ تم دونوں کو مقدمہ قتل میں ملوث نہ کیا جائے۔!“

”بہت بہت شکریہ جناب.. ہمارے لئے یہ پہلا موقع تھا ورنہ ہم صرف مال پہنچاتے رہے تھے۔!“

”تمہارے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ہوں گے۔!“

”یہاں سے تو صرف ہم ہی مال لے جاتے تھے۔ چار سویں میل پر دوسرے اسکی دیکھ بھال کرتے تھے۔“

”چار سویں میل سے تمہاری واپسی کس طرح ہوتی ہے۔!“

”مال کا چارج سنبھالنے والے خالی ٹرک میں وہاں پہنچتے ہیں اور ہم اس خالی ٹرک کو لے کر شہر واپس آ جاتے ہیں۔!“

”خالی ٹرک کس کے سپرد کرتے ہیں۔!“

”کسی کے بھی نہیں۔ جہاں سے بھرے ہوئے ٹرک جاتے ہیں وہیں ہم خالی ٹرک چھوڑ کر

اپنے ٹھکانوں پر آجاتے۔ !"

عمران نے اُن جگہوں کی تفصیل پوچھی تھی جہاں سے ٹرک روانہ ہوتے تھے۔ پندرہ منٹ بعد اُس نے اپنی نوٹ بک بند کی اور حوالات سے باہر نکل آیا۔

◆

کیفے خیابان کے قریب عمران نے صفدر کو تلاش کر لیا تھا اور اُسے مزید ہدایات دے رہا تھا۔

"کیفے کے منیجر پر بھی تمہیں نظر رکھنا ہے۔ کیونکہ وہ بھی ان معاملات میں ملوث معلوم ہوتا ہے۔ میرے سلسلے میں ان دونوں قیدیوں کو اُسی سے تحریری ہدایات ملی تھیں۔ جواد بذات خود اُن سے نہیں ملا تھا۔ !"

"اچھی بات ہے میں اُس پر بھی نظر رکھوں گا۔ !" صفدر نے کہا۔

پھر عمران نے نعمانی اور صدیقی کو بھی چیک کیا۔ لیکن انہیں بھی ابھی تک جواد کے حلئے پر پورا اُترنے والا کوئی شخص نظر نہیں آیا تھا۔

قریباً نو بجے رات کو وہ ایک بار پھر دارا کافی ہاؤز میں جا پہنچا۔ فی الحال دارا ہی کی شخصیت ایسی تھی جس کی طرف خصوصی توجہ دی جا سکتی تھی۔ ہر چند کہ اُس کی حیثیت بھی ثانوی ہی معلوم ہوتی تھی لیکن پھر بھی اُس کے توسط سے آگے بڑھنے کے امکانات روشن تھے۔

دارا اپنے آفس میں موجود تھا۔ اُس نے خاصے پر مسرت انداز میں عمران کا استقبال کیا۔

"نواب صاحب کی خیریت دریافت کرنے آیا ہوں۔ !" عمران نے کہا۔

"مجھے علم نہیں۔ اُن کے ساتھی انہیں اٹھوا کر لے گئے تھے۔ غالباً کسی ہسپتال میں داخل کرایا ہے میرے بلائے ہوئے آدمی سے انہوں نے ٹریٹ منٹ لینے سے انکار کر دیا تھا اچھے لوگ نہیں ہیں۔ مجھے بھی دھمکیاں دے گئے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ آپ میرے ہی بلائے ہوئے یہاں آئے تھے اور مقصد نواب صاحب سے الجھنا تھا۔ !"

"لاحول ولا قوۃ.... !" عمران سر ہلا کر رہ گیا۔

"لیکن مجھے ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے۔ میں خود نہیں چاہتا کہ فضول قسم کے لوگ یہاں آئیں ایسی ادبی اور سیاسی بحثیں ہوتی رہتی ہیں جن کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا۔ ایک ایک کپ کافی لے کر گھنٹوں میزیں گھیرے رہتے ہیں۔ !"

"یہ تو واقعی آپ کے بزنس کے لئے بھی بُرا ہے۔ !"

"جی ہاں بالکل.... لیکن کیا کروں بے مروتی نہیں ہو پائی مجھ سے۔ !"

"بہر حال میں نواب شاطر کی عیادت کرنا چاہتا تھا۔ خواہ وہ کیسا ہی آدمی کیوں نہ ہو۔ !"

"میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ عمران صاحب۔ اُن لوگوں سے دور ہی دور رہنا بہتر ہوتا ہے۔ بار سوخ اور غنڈے قسم کے لوگ ہیں۔ !"

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ دارا نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"دارا اسپیکنگ.... !"

پھر وہ دوسری طرف کی بات بغور سنتا رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں عمران کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ان میں کبھی کبھی استعجاب کی جھلکیاں بھی ملتی تھیں۔ بالآخر اس نے "بہت بہتر" کہہ کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور طویل سانس لے کر رومال سے اپنی پیشانی تھپکنے لگا۔

"کیا کوئی بُری خبر تھی۔ !" عمران نے یگانگت کا اظہار کرنے کے سے انداز میں پوچھا۔

"ہاں مسٹر عمران.... !" وہ غمناک لہجے میں بولا۔ "میں ایک بد نصیب انسان ہوں۔ میری بیوی پندرہ سال سے اپاہجوں کی سی زندگی بسر کر رہی ہے۔ اُس پر مستزاد یہ کہ بے ہوشی کے دورے بھی پڑنے لگے ہیں۔ ابھی گھر سے اطلاع آئی ہے کہ اس کی حالت بہت خراب ہے۔ !"

"مجھے بے حد افسوس ہوا۔ میرے لائق کوئی خدمت مسٹر دارا۔ !"

"اگر گاڑی ہو تو مجھے گھر تک پہنچا دیں۔ میری گاڑی گیراج میں ہے اس وقت کنوینس نہیں ملے گی۔

"ضرور ضرور مسٹر دارا.... !" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

دونوں باہر آئے۔ عمران نے اس کے لئے اگلی ہی سیٹ کا دروازہ کھولا اور خود گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔

"کس طرف مسٹر دارا.... !"

"موڈل ٹاؤن کی طرف.... !" دارا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

عمران نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔ گاڑی حرکت میں آئی ہی تھی کہ پچھلی نشست سے آواز آئی۔ "بندرگاہ کی طرف۔ !"

ساتھ ہی عمران کی گدی سے ٹھنڈا لوہا چپک کر رہ گیا۔ کسی ریوالور کی نال تھی۔

”موڈل ٹاؤن کی طرف کیوں نہیں....!“ عمران نے سوال کیا۔

”فضول باتیں کیں تو گردن میں سوراخ ہو جائے گا۔!“ پچھلی نشست سے کہا گیا۔

”کیا قصہ ہے مسٹر دارا....!“ عمران بولا۔

”خدا جانے مسٹر عمران.... جہاں آپ وہاں میں....!“

”اس نامعقول سے کہئے کہ آپ اپنے گھر پہنچنا چاہتے ہیں۔!“

”میں کہتا ہوں کہ خاموشی سے چلتے رہو۔ ورنہ فائر کر دوں گا۔!“

عقب سے آواز آئی اور گردن پر ریوالور کا دباؤ بڑھنے لگا۔ عمران ٹھنڈی سانس لے بولا۔ ”اچھا.... لو پھر بندرگاہ ہی کی طرف سہی۔!“

”عمران سوچ رہا تھا کہ اگر دوسری جگہوں کی طرح دارا کافی ہاؤز کی بھی نگرانی پر کسی کو متعین کر دیا جاتا تو کم از کم اُسے اس کے احوال کی خبر ہو ہی جاتی۔!“

”رفتار کم نہیں ہونی چاہئے۔!“ عقب سے آواز آئی۔

پیر میں مچھر کاٹ رہے ہیں۔!“ عمران بولا۔ ”اگر اجازت ہو تو گاڑی روک کر....!“

”چلتے رہو....!“ عقب سے غراہٹ سنائی دی اور گردن پر ریوالور کا دباؤ مزید بڑھ گیا۔

”مسٹر دارا آپ کی خاموشی حیرت انگیز ہے۔!“ عمران نے تیسرے آدمی کی بکواس کو نظ انداز کرتے ہوئے کہا۔

”میں کیا عرض کروں مسٹر عمران آپ ہی کی وجہ سے میں بھی پھنس گیا ہوں۔ پہلے ہی آپ سے کہہ رہا تھا کہ نواب صاحب سے الجھ کر آپ نے اچھا نہیں کیا۔ اب اس وقت میری جو حالت ہے بیان نہیں کر سکتا۔ پتا نہیں بیوی کس حال میں ہو۔!“

”شکر ہے کہ میں غیر شادی شدہ ہوں۔!“ عمران نے کہا۔ ”ورنہ اس وقت بیوی بھی سر پر سوار ہوتی۔!“

”میں کہتا ہوں خاموشی سے چلتے رہو....!“ عقب سے آواز آئی۔

”میں کم رتبہ آدمیوں کو منہ لگانا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ تم خاموش رہو۔ ورنہ مسٹر دارا اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں زندگی کی پرواہ کئے بغیر گاڑی کو کسی درخت سے بھی ٹکرا سکتا ہوں۔!“

”مسٹر عمران.... پلیز.... ایسی باتیں نہ کیجئے۔!“ دارا کا لہجہ خوفزدہ سا تھا۔

”میں تو حقیقتاً یہ چاہتا ہوں کہ آپ کو آپ کے گھر پہنچا کر خود اس نامعقول آدمی کے ساتھ وہاں جاؤں جہاں یہ مجھے لے جانا چاہتا ہے۔!“ عمران بولا۔

”اپنی زبان درست کرو....!“ عقب سے پھر غراہٹ سنائی دی۔

”بہت بہتر جناب عالی۔ کیا واقعی آپ نواب شاکر علی شاطر کے غنڈے محترم ہیں۔!“

”میں کچھ نہیں جانتا۔ جہاں تمہیں لے جایا جا رہا ہے وہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔!“ عقب سے آواز آئی۔

”لیکن دارا صاحب کو میرے ساتھ کیوں گھسیٹا جا رہا ہے۔!“ عمران نے کہا۔

”میں اب تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گا۔!“

”کیوں مسٹر دارا کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔!“ عمران نے سوال کیا۔

”میں کیا عرض کروں۔ میری تو عقل ہی خبط ہو کر رہ گئی ہے۔“ دارا نے کہا۔

”بہر حال اگر ہم دونوں بھی گفتگو کرتے چلیں تو یہ اندوہناک سفر آسان ہو جائے گا۔!“

”میرا بولنے کو جی نہیں چاہتا مسٹر عمران۔ شائد میں بھی اس چکر میں آگیا ہوں حالانکہ میرا قصور صرف اتنا ہی ہے کہ میں نے آپ دونوں کو سڑک پر رسوا ہونے سے بچا لیا تھا۔ بند کمرے میں کشتی کرائی تھی۔ لیکن شائد نواب صاحب مجھے بھی سزا دینا چاہتے ہیں۔!“

”نواب صاحب عجیب و غریب ہیں۔ خود ہی للکارا تھا کشتی کے لئے لیکن پٹ جانے پر یہ سب کچھ شروع کرا دیا۔!“

”میں نے آپ کو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔!“

”خیر.... تو یہ لوگ اب میرے ساتھ کیسا برتاؤ کریں گے۔!“

”خدا ہی جانے۔!“

”میرا خیال ہے کہ صرف ہاتھ پیر توڑیں گے۔ جان سے تو مارنے سے رہے۔ کیوں مسٹر دارا۔!“

”مسٹر عمران۔ آپ میری سمجھ سے باہر ہیں۔!“

”سب یہی کہتے ہیں اور میں سوچتا رہ جاتا ہوں کہ میرے سینگ نکل رہے ہیں یا دم اگ رہی ہے۔!“

"اب بائیں جانب گھماؤ....!" عقب سے آواز آئی۔ وہ بندرگاہ کے علاقے میں پہنچ چکے اور ایک ویران حصے کی جانب گاڑی گھمانے کو کہا گیا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد پھر ایک جنک یارڈ م گاڑی موڑنے کو کہا گیا۔ یہاں چاروں طرف ٹوٹی پھوٹی گاڑیوں کے ڈھانچے بکھرے ہوئے تھے انہی کے درمیان ایک چھوٹی سی عمارت تھی جس کے قریب پہنچ کر گاڑی روکنے کو کہا گیا۔ یہا اتنی روشنی تھی کہ عمران سب کچھ صاف دیکھ سکتا۔ ڈرائیونگ سیٹ کی جانب ایک نقاب پوش کھ نظر آیا جس کے ہاتھوں میں اسٹین گن تھی۔

"دونوں اُتر جاؤ....!" عقبی نشست سے آواز آئی۔

"وہ تو ہونا ہی ہے۔!" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

دونوں کو گاڑی سے اُتار کر عمارت کے اندر لایا گیا۔ یہاں بھی دو نقاب پوش پہلے سے موجو تھے۔ انہیں میں سے ایک مسلح تھا اور دوسرا خالی ہاتھ۔ غیر مسلح نقاب پوش نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"تمہارا نام علی عمران ہے اور تم سی آئی بی کے ڈائریکٹر جنرل کے آوارہ بیٹے ہو۔!"

"گفتگو تمیز سے ہونی چاہئے ورنہ میری رگوں میں چنگیز خانی خون بھی جوش مار سکتا ہے۔!" عمران نے کہا۔

"کوئی حرکت کی تو جسم چھلنی ہو کر رہ جائے گا۔!" نقاب پوش بولا۔

"چنگیز خان کو اس کی فکر نہیں ہوتی تھی۔!"

"سیدھی طرح میری باتوں کا جواب دو۔ ورنہ واقعی تمہاری زندگی محال ہو جائے گی۔ وہ دونوں آدمی کہاں ہیں جنہوں نے آج تم پر تمہارے فلیٹ کے قریب حملہ کیا تھا۔!"

"اوہ....اچھا تو یہ وہی چکر ہے۔!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"کیسا چکر....!"

"نواب شاکر علی شاطر کے گرگے ہو تم لوگ....!"

"غیر متعلق باتیں نہ چھیڑو۔ بتاؤ وہ دونوں کہاں ہیں۔!"

"نشے میں تھے دونوں.... پہلے حملہ کیا پھر بے ہوش ہو کر گر گئے۔ پھر کسی جانب سے دو آدمی آئے اور انہیں ہتھکڑیاں لگا کر اٹھا لے گئے۔ غالباً وہ دونوں اینٹی نارکوٹک والے رہے ہوں گے۔!"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ہم تمہارے پیشے سے بخوبی واقف ہو گئے ہیں۔ تم پولیس انفارمر بھی ہو اور بلیک میلر بھی اور تمہارا بھی ایک اچھا خاصا گروہ ہے۔!"

"میں نے کب کہا کہ ایسا نہیں ہے۔!"

"تمہاری انہی حرکتوں کی بنا پر مسٹر رحمان نے تمہیں گھر سے بھی نکال دیا ہے۔!"

"تمہیں میرے نجی معاملات کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔!"

"ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ دونوں کہاں ہیں۔!" نقاب پوش بولا۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا تب بھی نہ بتاتا۔!"

"کیا واقعی تم مرنا چاہتے ہو۔!"

"مسٹر عمران پلیز....!" دارا خوف زدہ سی آواز میں بڑبڑایا۔

اور عمران اس طرح چونک پڑا جیسے وہاں دارا کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔

"اوہ ہاں....!" اُس نے نقاب پوش سے کہا۔ "میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر میرے ساتھ مسٹر دارا کو کیوں زحمت دی گئی ہے۔!"

"محض اتفاق... تم دونوں ساتھ ہی گاڑی میں بیٹھے ہو گے ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں۔!"

"تو کیا یہ حماقت نہیں ہے کہ تم نے اپنے خلاف ایک اور گواہ بنا لیا۔!"

"کیا فرق پڑے گا اس سے۔ کیونکہ کچھ دیر بعد یہ عمارت ویران ہو گی جو فی الحال کسی کی ملکیت نہیں ہے اور یہ سرکاری جنک یارڈ ہے۔!"

"خدا کی پناہ.... سرکاری جنک یارڈ میں ایک معزز شہری کو دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔!"

"عمران بات نہ بڑھاؤ۔ ہم صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ وہ دونوں کہاں ہیں۔ اس کے بعد ہم تمہیں جانے دیں گے۔!"

اگر حلقے کے تھانے میں نہ ہوں گے تو ہیڈ کوارٹر کی حوالات میں ہوں گے۔ اگر وہاں بھی نہ ملے تو یقین کر دکہ اینٹی نارکوٹک والوں کی حوالات میں ضرور ہوں گے۔!"

"ان مقامات پر وہ نہیں ملے۔!"

"اینٹی ناکوٹک والوں کو بھی دیکھا تھا۔!"

"عمران تم ہمیں بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔!"

"حالانکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں بے وقوف بننے کی صلاحیت قطعی نہیں ہے۔ بہر حال جو کچھ میں

کہہ رہا ہوں اُس پر یقین کرو۔ ویسے میں نواب شاکر علی شاطر کو اتنا بڑا بدمعاش ہرگز نہیں سمجھتا تھا۔!“

”مسٹر عمران پلیز....!“ دارا پھر بوکھلا کر بڑبڑایا۔

”بدمعاش، بدمعاش ہی کہلائے گا مسٹر دارا!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”خواہ وہ نواب ہو خواہ شاعر۔!“

”اچھا تو اب ہم تم دونوں کو قتل کر کے یہیں دفن کر دیں گے۔!“ نقاب پوش بولا۔

”درجنوں بار قتل ہو کر دفن ہو چکا ہوں۔!“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔ ”میرے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ لیکن میں اسے ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ مسٹر دارا کے ساتھ کوئی نامناسب برتاؤ کیا جائے۔!“

”مسٹر دارا کو تم اُسی صورت میں بچا سکتے ہو جب ہمارا مطالبہ پورا کر دو....!“

”مائی ڈیئر مسٹر نقاب پوش۔ اگر مجھے تمہارے دونوں آدمیوں کے بارے میں علم ہوتا تو تمہیں بتا کر جلد از جلد مسٹر دارا کو اُن کے گھر پہنچانے کی کوشش کرتا کیونکہ ان کی اہلیہ اچانک سخت علیل ہو گئی ہیں اور میں اس وقت انہیں ان کے گھر ہی پہنچانے جا رہا تھا۔!“

”مسٹر دارا.... آپ جا سکتے ہیں۔!“ نقاب پوش بولا۔ ”گاڑی مسٹر علی عمران کی ہے۔ آپ اسے لے جایئے اور کہیں بھی کسی سڑک پر چھوڑ دیجئے گا۔ لیکن ہمارے متعلق اگر کسی کو بھی بتایا تو ہم آپ کے کافی ہاؤز کو ایک بہت ہی طاقتور ٹائم بم سے اڑا دیں گے اور یہی صورت آپ کی اقامتی عمارت کی بھی ہو سکتی ہے۔!“

”کیا واقعی یہ نواب صاحب ہی کا معاملہ ہے۔“ دارا نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

”یہ ہمارا معاملہ ہے ہم کسی نواب صاحب کو نہیں جانتے۔!“

”آپ جائیں مسٹر دارا....!“ عمران نے لاپرواہی سے سر ہلا کر کہا۔ ”کنجی اگنیشن میں لگی ہوئی ہے۔ گاڑی کو چیتھم روڈ پر چھوڑ دیجئے گا۔ کنگ کمپنی کے سامنے۔!“

”کنگ کمپنی کے سامنے کیوں....؟“ نقاب پوش چونک کر بولا۔

”وہاں سے وہ بہ آسانی میرے گھر تک پہنچ جائے گی۔ میرے ایک دوست کی دوکان وہیں ہے۔ وہ میری گاڑی کو پہچانتا ہے۔!“

”لیکن مسٹر دارا.... تمہاری زبان اس سلسلے میں بند ہی رہے گی ورنہ جو کچھ بھی کہہ چکا ہوں وہ محض دھمکی نہیں تھی۔!“

دارا نے عمران کی طرف دیکھا۔

”میری فکر نہ کیجئے مسٹر دارا....!“ عمران نے کہا۔ ”پتا نہیں آپ کی اہلیہ کی طبیعت کیسی ہو۔ آپ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جایئے۔!“ عمران نے کہا۔

* * *

نعمانی اس گاڑی کو پہچانتا تھا اور اُسے علم تھا کہ وہ عمران کے استعمال میں تھی۔ جیسے ہی دارا نے اُسے کنگ کمپنی کے دفتر والے فٹ پاتھ سے لگا کر روکا۔ نعمانی تیزی سے اُس کی جانب بڑھا۔ وہ سمجھا تھا کہ شاید عمران ہی اُس سے کچھ کہنے آیا ہے لیکن عمران کی بجائے ایک اجنبی پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک گیا۔ دارا نے کنجی اگنیشن ہی میں لگی رہنے دی اور کچھ دور چل کر کسی ٹیکسی کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔

نعمانی نے ریوالور بغلی ہولسٹر سے کوٹ کی جیب میں منتقل کیا اور بہ آہستگی دارا کے برابر پہنچ کر اس کی نال کمر سے لگا دی۔

دارا چونک کر مڑا اور نعمانی نے آہستہ سے کہا۔ ”اُس گاڑی کی طرف جس سے ابھی اترے ہو اور یہ سائیلنسر لگا ہوا پستول ہے۔!“

”اللہ کا شکر ہے۔!“ دارا جلدی سے بولا۔ ”اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ عمران صاحب کے ساتھی ہیں۔ شائد اسی لئے انہوں نے گاڑی کو کنگ کمپنی کے پاس پارک کرنے کو کہا تھا۔!“

”گاڑی کی طرف پلیز.... وہیں بیٹھ کر بات ہو گی۔!“ نعمانی نے خشک لہجے میں کہا۔

”ضرور.... ضرور.... حالانکہ میں خود بڑی دشواری میں ہوں۔ لیکن بہر حال عمران صاحب کی زندگی بھی بہت قیمتی ہے۔ ہر چند کہ مجھے بھی بہت بڑی دھمکی دی گئی ہے۔!“

”گاڑی میں بیٹھ کر دارا نے شروع سے آخر تک پوری روداد دہرائی تھی اور نعمانی کو اس عمارت کا پتا بتایا تھا جہاں وہ پُر اسرار مسلح آدمی اُن دونوں کو لے گیا تھا۔!“

”اس بیان کی تصدیق کیلئے آپ کی موجودگی ضروری ہو گی مسٹر دارا....!“ نعمانی نے کہا۔

”اوہ.... مسٹر عمران نے تو اتنی مہربانی فرمائی تھی اور آپ یہ کہہ رہے ہیں میں کوئی گمنام آدمی بھی نہیں ہوں کہ کل آپ کو نہ مل سکوں۔ آپ کو گھر کا پتا بھی بتا چکا ہوں اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میرا کافی ہاؤز کہاں ہے۔!“

”اچھی بات ہے.... تو آپ اس گاڑی کو اب اپنے گھر لے جایئے اور اسے وہیں چھوڑ دیجئے گا۔ ہم منگوا لیں گے۔!“

"بہت بہت شکریہ جناب.....!" دارا اظہار مسرت کرتا ہوا بولا۔ "بہت جلدی کیجئے۔ عمران صاحب خطرے میں ہیں۔!"

نعمانی اسے رخصت کر کے اپنی گاڑی کی طرف آیا اور ٹرانس میٹر پر جولیانا فٹنر واٹر کو کال کرنے لگا۔

تھوڑی ہی دیر میں جولیا سے رابطہ قائم ہو گیا۔ نعمانی نے اسے صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ خود کہاں ہے۔ پھر بیس منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ غاور چوہان ظفر الملک اور جیمسن وہاں پہنچ گئے۔ چاروں پوری طرح مسلح تھے۔

دونوں جیپیں بندرگاہ کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئیں۔ نعمانی نے خاص طور پر نظر رکھی تھی کہ ان کا تعاقب تو نہیں کیا جارہا۔ وہ بہر حال دارا کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ جنک یارڈ سے خاصے فاصلے پر انہوں نے اپنی جیپیں چھوڑ دیں اور پیدل ہی جنک یارڈ کی طرف چل پڑے۔

جنک یارڈ میں اندھیرا تھا۔ وہ دائرے کی شکل میں پھیل گئے اور اُس عمارت کے گرد گھیرا تنگ کرنے لگے جس کی کئی کھڑکیاں روشن نظر آرہی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ عمارت کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ پوری عمارت اُن کی زد پر تھی اور کسی طرف سے کوئی فرار نہیں ہو سکتا تھا تھوڑی دیر بعد اُن میں سے کسی نے صدر دروازے پر پتھر مارا۔ جس کی آواز سناٹے میں دور دور تک پھیلی تھی۔ لیکن اس کا کوئی ردِ عمل ظاہر نہ ہوا۔ نہ تو دروازہ ہی کھلا اور نہ کسی کھڑکی ہی میں دریافت حال کے لئے کوئی کھڑا دکھائی دیا۔

ہر قسم کی احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے بعد وہ بالآخر عمارت پر ٹوٹ پڑے۔

لیکن وہاں کے ایک کمرے میں عمران کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا جو ایک کرسی سے بندھا ہوا بیٹھا تھا۔ عمران انہیں آنکھ مار کر مسکرایا اور نعمانی کے علاوہ بقیہ سب پھر عمارت سے باہر نکل گئے۔ نعمانی عمران کو رسی کے بلوں سے آزاد کرانے لگا۔

"وہ میرے گروہ کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔!" عمران آہستہ سے بولا۔

ٹھیک اسی وقت باہر سے فائروں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ عمران نے نعمانی سے کہا۔ "میں اتفاق سے خالی ہاتھ ہوں۔!"

"تب پھر آپ یہیں آرام فرمائیے..... ہم دیکھ لیں گے۔!" نعمانی نے کہا اور ریوالور ہولسٹر سے نکالتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

عمران تھوڑی دیر تک اُسی کرسی پر بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر کمرے کی روشنی بجھا دی اور اب وہ عمارت کے عقبی دروازے کی تلاش میں وہاں سے چل پڑا۔ دوسرے کمرے کی روشنی بھی بجھائی۔ عقبی دروازہ کچن میں تھا اور وہاں روشنی نہیں تھی۔ کمرے میں اُسے دیا سلائی کی ایک ڈبیہ مل گئی تھی۔ اُس کے سہارے وہ کچن تک پہنچا تھا۔ اُس کے ماتحت شائد باہر کے برآمدے ہی میں تھے ان میں سے کسی کے پاس بھی اسٹین گن نہیں تھی۔ لیکن جنک یارڈ سے اسٹین گنوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ گویا اُس کا اندازہ درست ہی تھا۔ وہ لوگ اپنی دانست میں عمران کے گروہ کے کچھ افراد کو بھی پکڑنا چاہتے تھے تاکہ انہی سے مزید معلومات حاصل کر سکیں۔ عمران سے تو وہ اپنے دونوں ساتھیوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم کر سکے تھے جنہوں نے عمران کے فلیٹ کے قریب ہی اس پر حملہ کیا تھا۔

عمران نے بہ آہستگی کچن کا عقبی دروازہ کھولا ہی تھا کہ قریب ہی سے اسٹین گن کے برسٹ مارنے کی آواز آئی۔ لیکن اسٹین گن کا رخ کچن کی طرف نہیں تھا۔ پھر بھی عمران بڑی پھرتی سے فرش پر لیٹ گیا۔ اب وہ رینگتا ہوا کچن سے باہر نکل گیا۔ اسے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اسٹین گن کا برسٹ کدھر سے مارا گیا ہے۔ کچن سے نکل کر وہ اُسی جانب رینگتا رہا۔

اُسے خدشہ تھا کہ بندرگاہ کی پولیس جلد ہی فائروں کی طرف متوجہ ہو کر حرکت میں آجائے گی۔ لیکن یہ تو دھماکوں ہی کا سیزن تھا۔ یعنی شب برات کا چاند پچھلے ہی دن دیکھا گیا تھا۔ فضا ہر وقت ہی مختلف قسم کے دھماکوں سے گونجتی رہتی تھی۔ بہر حال یقینی امر نہیں تھا کہ پولیس ان دھماکوں کی طرف متوجہ ہی ہو جاتی اور پھر یہ جنک یارڈ تو اس علاقے کے پولیس اسٹیشن سے میلوں دور تھا۔ غالباً مجرموں نے اس کھیل کے لئے اس جگہ کا انتخاب اسی بنا پر کیا تھا۔

عمران آہستہ آہستہ رینگتا ہوا اُسی جانب بڑھتا رہا جہاں سے اسٹین گن کے چھوٹے چھوٹے برسٹ مارے جارہے تھے۔

بالآخر اُس نے اسے جا ہی لیا۔ وہ بھی کسی سانپ ہی کی طرح پلٹا تھا لیکن اسٹین گن اس کے ہاتھ سے نکل گئی ساتھ ہی عمران کا ہاتھ اُس کی بائیں کنپٹی پر پڑا اور وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔

عمران نے بڑی پھرتی سے اُس کی ٹائی کھولی اور دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور اپنی ٹائی سے پیر باندھ دیئے۔

ایک تو ہاتھ آیا.... اس نے سوچا.... اور زمین پر گری ہوئی اسٹین گن تلاش کرنے لگا۔ وہ بھی جلد ہی ہاتھ آ گئی۔

وہ پھر پلٹا اور کچن سے گذرتا ہوا صدر دروازے کے قریب آ گیا۔ اس کے ماتحت برآمدے ہی سے فائرنگ کر رہے تھے۔

اس نے انہیں اندر ہی سے فائرنگ بند کر دینے کا اشارہ کیا۔ اس کے لئے اُس نے مخصوص انداز میں دروازے کو بجایا تھا۔ ادھر سے فائرنگ بند ہو گئی اور عمران نے دروازہ کھول کر آہستہ سے کہا۔

"کوئی ایک اندر آجائے ان میں سے ایک ہاتھ آ گیا ہے اور تم لوگ جب محسوس کرو کہ وہ کسی قدر قریب سے فائرنگ کر رہے ہیں تو تم سب اندر آجانا۔ پھر میں بتاؤں گا کہ اب کیا کرنا ہے۔!"

ظفرالملک اندر آ کر بولا۔ "فرمایئے۔!"

"میرے ساتھ آؤ....!" عمران نے کہا۔

وہ اُسے عقبی دروازے سے اس جگہ لایا جہاں اُس کا شکار اب بھی بے ہوش پڑا تھا۔

"اسے اٹھا کر اندر لے چلو....!" عمران نے ظفر سے کہا۔

اور پھر خود بھی اس نے اُسکی مدد کی تھی۔ اندر پہنچ کر ظفر نے پوچھا۔ "یہ کیسے ہاتھ لگ گیا۔!"

"بس شامت ہی آ گئی تھی اس کی۔!" عمران نے کہا۔ "سنو ادھر سے فائرنگ بند ہونے کی بنا پر وہ آہستہ آہستہ عمارت سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ اب ان سبھوں کو اندر لے آؤ اور عقبی دروازے سے نکل کر انکی پشت پر پہنچنے کی کوشش کرو۔ میں برآمدے میں ان کا انتظار کروں گا۔!"

"آپ تنہا....!" ظفر نے حیرت سے کہا۔

"تم لوگوں کے آنے سے قبل بھی اُن کے درمیان تنہا ہی تھا۔ تم میری فکر نہ کرو۔!"

پھر وہ سب اندر آ گئے تھے اور عقبی دروازے سے باہر نکل گئے تھے۔ عمران اسٹین گن لئے ہوئے برآمدے میں رینگ آیا اور ایک ستون کی آڑ لے لی۔

"پیچھے چلو.... پیچھے۔!" کسی نے کہا۔ "وہ اُدھر سے فرار ہو رہے ہوں گے۔!"

عمران نے آواز کی سمت برسٹ مارا اور پھر اُس کے بعد کسی قدر فاصلے سے بھی فائر ہوئے تھے۔

اچانک مائیکروفون پر کہا گیا۔ "پولیس.... خبردار جو جہاں ہے وہیں ٹھہرے۔!"

بیٹری سے چلنے والے ایک مائیکروفون پر بھی عمران نے کیپٹن خاور کی آواز پہچان لی۔

اس کے بعد تو قبرستان کا سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ پندرہ منٹ بعد کئی ٹارچیں روشن ہو گئی تھیں۔ لیکن ان میں سے ایک کا بھی سراغ نہ مل سکا۔

بس صرف وہی ہاتھ آیا تھا جس پر عمران پہلے ہی قابو پا چکا تھا۔

"نمونے کے لئے ایک ہی کافی ہے۔!" عمران احمقانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "اسے لے چلو۔!"

"لاٹ صاحب کی طرح فرمان جاری فرما دیا۔!" کیپٹن خاور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"میں نہیں ہوں لاٹ صاحب....!" عمران بے حد نرم لہجے میں بولا۔ "لاٹ صاحب وہ حضرات ہیں جنہوں نے تمہیں یہاں بھیجا ہے۔!"

"یار ختم کرو....!" چوہان بولا۔ "جلدی نکلو یہاں سے کہیں سچ مچ پولیس نہ متوجہ ہو جائے۔!"

انہوں نے قیدی کو اٹھایا تھا اور اُس طرف چل پڑے تھے جہاں گاڑیاں چھوڑ آئے تھے۔

نعمانی عمران کے برابر چل رہا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔ "آپ نے دارا کو ٹھیک جگہ بھیجا تھا۔!"

"مجھے یقین تھا کہ صرف تم ہی اُس گاڑی کی طرف خصوصی توجہ دے سکو گے۔ اسی لئے میں نے اس سے کہا تھا کہ کنگ کمپنی کے پاس گاڑی چھوڑ دے۔!"

"شائد دارا کو علم نہیں کہ وہ بھی آپ کی لسٹ پر ہے۔!"

"یہی تو خاص بات ہے کہ ابھی تک اُسے شبہ نہیں ہو سکا۔ اسی لئے وہ بیچارہ میرے دکھوں میں شریک ہونے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔!"

* * *

قیدی کو سائیکو مینشن بھجوا کر عمران نے فلیٹ کی راہ لی۔ جوزف موجود تھا عمران کو دیکھتے ہی ہنسنے لگا۔

"کیا رہی....!" عمران نے پوچھا۔

"کچھ نہیں باس.... وہ بیچارہ انسپکٹر تو بہت اچھا آدمی ہے اس سے پہلے بھی کئی بار میری اس کی ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ خوب کھلایا پلایا اس نے مجھے.... اور کہہ رہا تھا کہ اگر سیکنڈ شو میں کوئی فلم بھی دیکھنا چاہوں تو وہ میرا ساتھ دے سکے گا۔!"

"پوچھا کیا تھا اُس نے....!"

"بس یہی کہ کیا مسٹر عمران نے کسی کی نگرانی کرنے کے لئے تمہیں وہاں فقیر کے بھیس میں

متعین کیا تھا۔ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ باس تو تقریباً پندرہ دن سے فلیٹ ہی میں نہیں آئے۔ اس نے کہا کہ وہاں میرے ہی جیسا ایک فقیر دیکھا گیا تھا۔ میں نے کہا دیکھنے والے کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ کالوں کی بستی میں مجھ سے مشابہت رکھنے والے بہتیرے مل جائیں گے۔ بس اتنی سی باتیں پھر ہنسی مذاق۔ کھانا پینا اور اُس کے بعد وہ خود ہی مجھے یہاں چھوڑ گیا تھا۔!“

”ٹھیک ہے۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

دوسری صبح اس نے سائیکو مینشن فون کیا اور تیسرے قیدی کے بارے میں پوچھ گچھ شروع کی۔

”اس سے ابھی تک کچھ نہیں پوچھا گیا۔!“ حوالات کے انچارج نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ میں خود ہی آکر دیکھوں گا۔!“ عمران نے کہا اور رابطہ منقطع کر کے دارا کے گھر کے نمبر ڈائیل کیے۔ دوسری طرف کسی اور نے کال ریسیو کی تھی۔ عمران نے اپنا نام بتا کر دارا سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

جلد ہی دارا کی آواز سنائی دی۔ ”شکر ہے عمران صاحب وہ تو آپ کے ساتھی نے منع کر دیا تھا ورنہ میں وہاں سے سیدھا پولیس اسٹیشن جاتا۔!“

”محترمہ کی طبیعت اب کیسی ہے۔!“ عمران نے پوچھا۔

”خدا کا شکر ہے حالت سنبھل گئی ہے۔ میں آپ کا بے حد شکر گذار ہوں عمران صاحب۔ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ نواب شاکر علی اتنا زبردست بدمعاش نکلے گا۔ باقاعدہ گروہ بنا رکھا ہے ظالم نے۔!“

”فکر نہ کیجئے.... میں دیکھ لوں گا۔!“ عمران نے کہا۔ ”بس آپ پچھلی رات والے واقعے کا کسی سے ذکر نہ کیجئے گا۔!“

”کمال ہے عمران صاحب.... آپ کتنے بڑے خطرے سے دوچار ہوئے تھے لیکن آپ نے پولیس تک کو اطلاع نہیں دی۔!“

”میرے کھیل ایسے ہی ہوتے ہیں مسٹر دارا۔ اگر نواب صاحب نے مجھے اپنے بزنس میں شریک نہ کیا تو یقیناً ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔!“

”خدا کی پناہ....!“

”بس اب آپ اپنی زبان بند رکھئے گا۔!“

”یقیناً مسٹر عمران.... میں آپ کے مشورے کے بغیر اس معاملے میں کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ کسی وقت کافی ہاؤز بھی آپ تشریف لا رہے ہیں۔!“

”کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ویسے سوچ رہا ہوں کہ اسپتال جاکر نواب صاحب کی خیریت دریافت کر آؤں۔!“

”کیا اس کے کچھ آدمی آپ کے قابو میں آگئے ہیں۔!“ دارا نے پوچھا۔

”ہاں.... لیکن وہ بیچارے نہیں جانتے کہ کس کے لئے کام کر رہے ہیں۔!“

”بڑی عجیب بات ہے۔ کوئی خوفناک گروہ معلوم ہوتا ہے۔!“

”دیکھا جائے گا۔!“ کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد اُس کی ٹو سیٹر ایسے راستوں سے گذر رہی تھی جن پر وہ تعاقب کرنے والوں پر بہ آسانی نظر رکھ سکتا تھا۔ بہر حال پوری طرح مطمئن ہو جانے کے بعد کہ اس وقت اُس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا وہ سائیکو مینشن کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

حوالات نمبر دو میں اُس قیدی کا سامنا ہوا جو پچھلی رات ہاتھ لگا تھا۔ عمران پر نظر پڑتے ہی کسی درندے کی طرح غرانے لگا۔

”زیادہ اونچا اڑنے کی کوشش مت کرو۔!“ عمران نے نرم لہجے میں کہا۔ ”تمہارے باس کی پہنچ یہاں تک نہیں ہو سکتی۔!“

”کون باس.... کیسا باس.... میں ایک امن پسند شہری ہوں۔ مجھے حبس بیجا میں کیوں رکھا گیا ہے۔!“

”اس لئے کہ ایک اسٹین گن پر تمہاری انگلیوں کے نشانات ملے ہیں جس کا پرمٹ تمہارے پاس نہیں ہے۔!“

”وہ اسٹین گن زبردستی میرے ہاتھ میں تھمادی گئی تھی۔!“

”تم اس وقت کسی عدالت کے سامنے جواب دہی نہیں کر رہے اور نہ پولیس والوں کی تحویل میں ہو کہ ریمانڈ لئے بغیر تمہاری چمڑی نہیں ادھیڑی جا سکے گی۔!“

”پھر تم کون ہو....!“

”وہی جو تم ہو۔ اگر تمہارے باس نے مجھے اپنے بزنس میں حصہ نہ دیا تو کیس بنا کر تم لوگوں کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ یہی میرا پیشہ ہے اور تمہیں میری طاقت کا اندازہ تو ہو ہی گیا ہوگا کہ ابھی تک میرے گروہ کا کوئی آدمی تم لوگوں کے ہاتھ نہیں لگ سکا کسٹم کے ایک انسپکٹر کو مار کر تم

نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ مجھے یا میرے گروہ کو بھی مرعوب کر سکو گے۔!"

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن صرف ہونٹ ہل کر رہ گئے۔ عمران براہِ راست اس کی آنکھوں دیکھ رہا تھا۔

"تت.... تم کیا چاہتے ہو....!" وہ بالآخر بولا۔

"تمہارے سربراہ کا پتہ....!"

"کوئی بھی نہیں جانتا۔ کسی نے بھی اُسے نہیں دیکھا۔!"

"لیکن مجھے تو میرے سبھی ساتھی جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی اُن پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔!"

وہ تھوک نگل کر رہ گیا۔ عمران نے سوال کیا۔ "تمہیں کس سے احکامات ملتے ہیں۔!"

"جواد سے.... لیکن وہ ہمارا سربراہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خود بھی اس سے خائف رہتا ہے۔!"

"یہ جواد کون ہے....؟"

"یہ تو ہم نہیں جانتے۔ لیکن باس کے احکامات اُسی کے توسط سے ملتے ہیں۔!"

"میرے سلسلے میں اُس نے کیا کہا تھا۔!"

"یہی کہ تمہیں اس طرح گھیرا جائے کہ تمہارے ساتھ ہی ساتھ تمہارے گروہ کے بھی کچھ لوگ ہاتھ آجائیں۔!"

"کیا وہ تم لوگوں میں آکر تم سے گفتگو کرتا ہے۔!"

"ہاں.... لیکن کل اس نے سارے احکامات فون پر دیئے تھے۔!"

"وہ کہاں مل سکے گا۔!"

"ہمیں جہاں ملتا ہے اُس جگہ کا پتہ بتا سکتا ہوں۔ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ رہتا بھی وہیں ہو گا۔!"

"کہاں ملتا ہے....!"

"سادھوپاڑے میں رحمت بلڈنگ ہے اُسکے فلیٹ نمبر بیالیس میں ہمیں طلب کر کے کام بتاتا ہے۔!"

"وہاں تو زیادہ تر مزدور رہتے ہیں۔!"

"اُس کا حلیہ بھی مزدوروں ہی جیسا ہوتا ہے۔!"

"کیا وہ میرا پیغام تمہارے باس تک پہنچا سکے گا۔!"

"میرا خیال ہے کہ صرف وہی یہ کام کر سکے گا۔!"

"تمہارے ذمے کیا کام ہے۔!"

"ہمیں اُن جہازوں پر سے سامان لانا پڑتا ہے۔ جنہیں برتھ نہ ملنے کی بناء پر گہرے پانی میں رکنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی گہرے پانی سے گذرتے ہوئے جہازوں پر سے بھی ہمارے لئے مال اتارا جاتا ہے ہم پیٹیاں وہاں سے لا کر بتائے ہوئے گوداموں میں رکھوا دیتے ہیں۔!"

ایسے تین گوداموں کے پتے اس نے عمران کو لکھوائے اور جواد کا وہی حلیہ بتایا جو ساگر اور ضرغام بتا چکے تھے۔

"جہاز سے اتارے جانے والے مال کی نوعیت کیا ہوتی ہے۔!" عمران نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔

"اس کا علم ہم میں سے کسی کو بھی نہیں۔!"

"اچھی بات ہے اب تم آرام کرو....!" عمران نے کہا۔

"میرا حشر کیا ہو گا۔!"

"اگر تمہارے باس نے میرے مطالبات مان لئے تو پھر تمہارے لئے کوئی خدشہ نہیں۔ نہ مانے میرا گروہ تو ہے ہی۔!"

"تو پھر یہ بھی سن لیجئے کہ جواد بے حد خطرناک آدمی ہے۔ ریوالور نکالنے میں جس پھرتی کا ظاہرہ کرتا ہے اس کا جواب نہیں ہے۔ ایک ماہر خنجر باز ہے۔ ہم سب اس سے خائف رہتے ہیں۔!"

"اور وہ باس نہیں ہے....؟" عمران نے سوال کیا۔

"خدا ہی جانے.... وہ کہتا یہی ہے.... بارہا کہہ چکا ہے کہ آخری آدمی سے وہ خود بھی واقف نہیں ہے۔!"

"اب تم اپنا نام بھی بتا دو.... اور یہ بھی بتاؤ کہ بظاہر تمہارا پیشہ کیا ہے۔!"

"غفران.... اور میں نیشنل انجینئرنگ ورکس میں ملازم ہیں۔!"

"وہاں کے فورمین ساگر کو جانتے ہو۔!"

"جی ہاں.... کیوں نہیں۔!"

"کیا اس کا تعلق بھی تمہارے گروہ سے ہے۔!"

"نہیں جناب وہاں کا ہر فرد گروہ سے تعلق نہیں رکھتا۔!"

"اچھا اب اپنے ان ساتھیوں کے بارے میں بتاؤ جو پچھلی رات تمہارے ساتھ تھے۔!"

"نہ ہم ایک دوسرے کے ناموں سے واقف ہیں اور نہ ایک دوسرے کے ٹھکانوں سے واقف ہیں۔ جواد ہمیں فرداً فرداً فون کر کے سادھو پاڑے والے فلیٹ میں اکٹھا کرتا ہے اور جو کام ہوتا وہیں اس کے بارے میں ہمیں ہدایات مل جاتی ہیں۔!"

"بڑا خوبصورت طریقہ ہے۔!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "اگر پکڑے جاؤ تو خود جہنم رسید ہو جاؤ او اس کا بال بھی بیکا نہ ہو سکے۔!"

غفران بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔

"تھوڑی دیر بعد عمران صفدر کے کمرے میں بیٹھا اسے دعوت فکر دے رہا تھا کہ وہ جواد ک شخصیت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرے۔!"

"مجھے تو سامنے کی بات لگ رہی ہے۔!" صفدر پُر تفکر لہجے میں بولا۔

"نواب شاطر ہی جواد کا بہروپ بھرتا رہا ہے۔ کیونکہ ہسپتال پہنچ جانے کے بعد سے وہ فون پر اپنے کارپردازوں سے رابطہ رکھ رہا ہے۔ بالمشافہ انہیں ہدایات نہیں دے سکا۔!"

"ہوں....!" عمران صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تم اپنی فوجی وردی پہن لو ہم ذرا سادھو پاڑے والے فلیٹ کو دیکھیں گے میں بھی معمولی سا میک اپ کئے لیتا ہوں۔!"

"اچھی بات ہے.... لیکن اتنے کھڑاگ کی کیا ضرورت ہے۔!"

"مجھے یقین ہے کہ فلیٹ مقفل ہو گا۔ غیر قانونی طور پر قفل کھولنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی طوفان اٹھ کھڑا ہو۔ لیکن اگر تم فوجی وردی میں فلیٹ کے سامنے موجود رہے تو کوئی تم سے کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں کرے گا۔!"

"اچھی بات ہے.... تو پھر آپ بھی تیاری کیجئے میں اپنی وردی نکلواتا ہوں۔!"

ایک گھنٹے بعد وہ دونوں ایک جیپ میں سائیکو مینشن سے روانہ ہوئے۔ عمران کو اس وقت بحیثیت عمران نہیں پہچانا جا سکتا تھا سادھو پاڑے کی رحمت بلڈنگ کے سامنے ہی جیپ روکی گئی۔

فلیٹ نمبر بیالیس تیسری منزل کا ایک کارنر فلیٹ تھا۔ عمران کے اندازے کے مطابق وہ مقفل ہی ملا۔ اس وقت عمارت سنسان پڑی تھی۔ کسی نے ان کی طرف خصوصی توجہ نہ دی۔ عمران قفل کھول کر اندر پہنچا۔ صفدر دروازے ہی پر جما رہا۔

دو کمروں کا چھوٹا سا فلیٹ تھا اور وہاں کے سامان سے بھی ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ اس کا تعلق کسی ذی حیثیت آدمی سے ہو گا۔

عمران نے بڑی تیزی اور احتیاط سے فلیٹ کی تلاشی لینی شروع کی اور بالآخر الماری میں اسے ایک فیس ماسک پڑا دکھائی دیا۔ اس کے قریب ہی سگریٹ کی ایک ڈبیہ بھی پڑی ہوئی تھی۔ عمران نے جیب سے رومال نکالا اور اُسے انگلیوں پر لپیٹ کر اُس ماسک کو الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کیا۔ اس ماسک کی آنکھوں کے سوراخوں کے اوپر ایک بھوں سیاہ بالوں کی تھی اور دوسری سفید بالوں کی ناک پر چوٹ کا نشان بھی بہت واضح تھا۔

اس کے بعد اس نے سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا۔ وہ خالی تھا اور اُس کے اندر سرخ روشنائی سے "ایس ایس شرگل" تحریر تھا۔

عمران نے طویل سانس لی اور اس ڈبیہ اور ماسک کو بڑی احتیاط سے رومال میں لپیٹ کر باہر نکل آیا۔ فلیٹ کو دوبارہ مقفل کیا اور سائیکو مینشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

"کچھ بات بنی....!" صفدر نے پوچھا۔

"بڑی حد تک.... جواد پلاسٹک کا فیس ماسک استعمال کرتا رہا ہے اور سنو وہ سگریٹ کی خالی ڈبیہ بھی اُسی فیس ماسک کے قریب مل گئی جو کسٹمز انسپکٹر باسط رشید سے چھینی گئی تھی۔ اس کے اندر ایک بحری جہاز کا نام تحریر ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ایسا ہی جہاز ہو جسے ابھی تک برتھ نہ مل سکی ہو اور ان لوگوں کا غیر قانونی مال اُس پر موجود ہو۔!"

"امکان ہو سکتا ہے۔!" صفدر نے کہا۔

"وہ سائیکو مینشن پہنچے اور عمران سیدھا فنگر پرنٹ سیکشن کی طرف چلا گیا اور اس کے انچارج سے بولا۔ "کل میں نے ایک سگریٹ کیس بھجوایا تھا۔!"

"جی ہاں.... اس پر سے نشانات اٹھا لئے ہیں میں نے۔!" اس نے جواب دیا۔

"اب یہ فیس ماسک اور سگریٹ کی ڈبیہ ہے۔ ان پر سے بھی نشانات اٹھا کر سگریٹ کیس والے نشانات سے موازنہ کرنا۔!"

"بہت بہتر جناب....!"

عمران پھر صفدر کے کمرے میں آ بیٹھا۔ یہاں جولیانا فٹنر واٹر بھی موجود تھی۔

"کیپٹن فیاض بہت شدت سے تمہاری تلاش میں ہے۔!" اس نے اطلاع دی۔

"بٹیر اسی کے ہاتھ لگے گا۔ میں تو بالکل چغد ہو کر رہ گیا ہوں۔!"

"کیا مطلب.....!" صفدر چونک کر بولا۔

"یہ کیس باضابطہ طور پر اسی کے محکمے میں پہنچ گیا ہے۔!"

"اور تم خواہ مخواہ اپنا اور ہمارا وقت برباد کر رہے ہو۔!"

"فضول باتیں نہ کرو..... ہمیں یہ قطعی نہ سوچنا چاہئے کہ کسی معاملے کا تعلق کسی خاص محکے سے ہے۔ بلکہ جہاں جو غلط بات نظر آئے اس کے تدارک کے لئے خود کوشش کرنی چاہئے۔ جس تیز رفتاری سے میں نے کام کیا ہے فیاض کا محکمہ اُس کے لئے مہینوں جھک مارتا۔!"

"تو پھر وہ تمہاری دشمنی پر کیوں کمربستہ رہتا ہے۔!" جولیا جھلا کر بولی۔

"یہ اس کی بدنصیبی ہے۔ اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔!"

سائیکو مینشن میں عمران کا اپنا بھی تو ایک مخصوص کمرہ تھا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا اور فون پر کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائیل کئے دوسری طرف سے فیاض ہی کی آواز آئی۔ عمران کی آواز پہچان کر اُس نے الجھنا چاہا تھا لیکن عمران نے سختی سے کہا۔ "اگر تم نے میری بات نہ سنی تو میں یہ پورا کیس سول پولیس کے کسی سب انسپکٹر کے حوالے کر دوں گا۔ جتنی جلدی میں نے اس کیس پر کام کیا ہے تمہارے فرشتے بھی نہ کر سکتے اور یہ تکلیف میں نے محض اس لئے برداشت کی ہے کہ تم نے جوزف پر ایک بے تکا الزام لگایا تھا جسے تم ثابت بھی نہ کر سکے۔ بہر حال میں تمہیں فی الحال تین گوداموں کے پتے لکھوا رہا ہوں اُن پر چھاپے مارنے کیلئے وارنٹ بنواؤ۔ یہ گودام اُسی اسمگلر کے ہیں جس کے چکر میں باسط رشید مارا گیا تھا۔!"

"اچھی بات ہے..... میں دیکھوں گا۔ تم پتے لکھواؤ۔ لیکن اگر اس کا انجام میرے خلاف ہوا تو پھر سمجھ لو کیا ہو گا۔!" فیاض کی آواز آئی۔ عمران نے پتے لکھوا کر کہا۔

"مجھے یقین کامل ہے کہ گودام کے مالک کا سراغ نہیں مل سکے گا۔!"

"پھر کیا فائدہ.....!"

"یار میں اُس کا پتا بھی تمہیں بتاؤں گا۔ ذرا صبر سے کام لو رات کے لئے دوسرا کام بتاؤں گا۔!"

"وہ کیا ہے۔!"

"پہلے یہ کام کر کے مجھے خوش خبری سناؤ۔ اس کے بعد وہ کام بھی ہو جائے گا۔!" عمران نے کہا اور رابطہ منقطع کر کے گھڑی دیکھی اور پھر اپنے ہی فنگر پرنٹ سیکشن کو فون کیا اور انچارج سے فنگر پرنٹس کے بارے میں پوچھنے لگا۔

"سگریٹ کیس سے اٹھائے جانے والے نشانات اور ماسک کے نشانات میں کوئی فرق نہیں۔ سگریٹ کی ڈبیہ پر بھی وہی نشانات ملے ہیں۔!"

"شکریہ.....!" کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا اور چھت کی طرف اس طرح منہ اٹھایا جیسے کسی گیدڑ کی سی آواز نکال کر کمرے سے نکل بھاگے گا۔

لیکن اس کی بجائے اُس نے فون پر دارا کافی ہاؤز کے نمبر ڈائیل کئے اور دارا کو پوچھا۔ کال اُس کے آفس سے کنکٹ کر دی گئی اور دارا کی آواز سن کر عمران نے کہا۔ "کہئے نواب شاطر کی بھی خیریت معلوم ہوئی یا نہیں۔!"

"خدا کے لئے عمران صاحب! فوراً آیئے..... ورنہ یہاں پتہ نہیں کیا ہو جائے۔!" دارا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا بات ہے۔!"

"مجھے برابر دھمکیاں مل رہی ہیں۔ کیا آپ نے ان کا کوئی آدمی پکڑ لیا ہے۔!"

"نہیں تو..... بس وہی دو ہیں جنہوں نے دن میں مجھ پر حملہ کیا تھا اور جن کے بارے میں انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا۔!"

"بہر حال وہ مجھے بھی آپ کا ساتھی سمجھ رہے ہیں۔ کاش میرے پاس نواب شاطر کے خلاف کوئی واضح ثبوت ہوتا۔!" دارا کی آواز آئی۔

"میرے پاس واضح ثبوت موجود ہے مسٹر دارا۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں تھوڑی دیر بعد آپ کے پاس آؤں گا۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ کافی ہاؤز کی نگرانی وہ لوگ کر رہے ہوں گے۔!"

"پھر آپ کیا کریں گے۔!"

"آپ کی حفاظت کے لئے خفیہ پولیس کا جال پھیلا دوں گا۔!"

"ایک بات اور ہے۔!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "مجھ سے فون پر یہ بھی پوچھا جا رہا ہے کہ آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔!"

"کہہ دیجئے کہ میں اُن کے بزنس میں حصہ چاہتا ہوں۔ اگر نہ ملا تو پورا گروہ اندر ہوگا۔!"

"بب.... بہت بہتر.... میں کہہ دوں گا۔ لیکن آپ آجاتے تو اچھا ہوتا۔ مجھے ایسا محسو ہو رہا ہے جیسے انہوں نے کافی ہاؤز کو گھیر لیا ہو۔!"

"فکر نہ کیجئے۔ میں سی آئی ڈی والوں کے ساتھ فوراً پہنچ رہا ہوں۔!" عمران نے کہا اور را منقطع کر دیا۔ پھر اُس نے کیپٹن فیاض کو رنگ کیا تھا۔ اس سے کچھ تھوڑی سی باتیں ہوئیں۔ عمران نے اپنا میک اپ ختم کیا اور صفدر کو کچھ ہدایات دے کر دارا کافی ہاؤز کی طرف روانہ ہو گیا۔

باہر ہی انسپکٹر شاہد سے ملاقات ہوئی۔ اُس کے ساتھ دو افراد اور بھی تھے۔ انہیں کافی ہاؤز م بٹھا کر وہ انسپکٹر شاہد کو ساتھ لئے ہوئے دارا کے آفس میں داخل ہوا۔ دارا نے اٹھ کر ان کا استقبا کیا ویسے وہ خاصا خوفزدہ نظر آرہا تھا۔

"جن لوگوں پر آپ کو شبہ ہو مسٹر دارا ان کی نشاندہی کر دیجئے۔!" عمران نے کہا۔ "یہ سی آ ڈی کے انسپکٹر شاہد ہیں۔!"

شاہد نے دارا سے مصافحہ کیا اور دارا کرسی پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔ پھر بولا۔ "میری سمجھ میں نہی آتا کہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں کاش نواب شاطر کے خلاف میرے پاس کوئی وا ثبوت ہوتا۔!"

"انسپکٹر شاہد....!" عمران بے حد سرد لہجے میں بولا۔ "باسط رشید کے قاتل کے ہاتھوں می ہتھکڑیاں ڈال دو۔!"

"کیا مطلب....!" دارا اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر ساتھ ہی اُس نے میز الٹ دی۔ عمران تو پہلے ہی اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ البتہ شاہد میز کی زد میں آگیا۔

دارا نے پتہ نہیں کہاں سے خنجر نکال کر عمران پر چھلانگ لگائی ہی تھی کہ شاہد کے ریوالور سے شعلہ نکلا لیکن وار خالی گیا دوسری طرف دارا کا خنجر والا ہاتھ عمران کی گرفت میں آگیا اور وہ اُسے بڑی بے دردی سے مروڑ رہا تھا۔

"خنجر پھینک دو ورنہ کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔!" شاہد نے کہا۔

"فائر مت کرنا.. فی الحال اس کا زندہ رہنا ضروری ہے۔!" عمران غرایا اور دفعتاً دارا کو کمر پر لاد کر پٹخ دیا۔ خنجر دور جا گرا تھا۔ فائر کی آواز سنکر شاہد کے دونوں ماتحت بھی دفتر میں گھس آئے ایک ریوالور نکال کر دروازے پر جم گیا اور دوسرا دارا کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالنے میں شاہد کی مدد کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد دارا فرش پر اوندھا پڑا ہانپ رہا تھا۔

"میں تم سبھوں کو دیکھ لوں گا۔!" وہ دانت پیس کر دہاڑا۔

"مقتول باسط رشید کے کمرے میں تم اُس رات کیا کر رہے تھے جب اُس کا قتل ہوا تھا۔!" عمران نے پوچھا۔ "اور وہاں سے تم نے کسے فون پر اطلاع دی تھی کہ باسط رشید کے فلیٹ میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جس سے گروہ کی نشاندہی ہو سکے۔!"

"سب جھوٹ ہے.... الزام ہے۔!"

"فون کے ریسیور سے تمہاری انگلیوں کے نشانات اٹھا لئے گئے تھے۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ میں اس وقت باسط رشید کی خواب گاہ کے پردے کے پیچھے موجود تھا۔ جب تم نے وہاں سے کسی کو فون کیا تھا۔!"

"کیا ہوگا....!" دارا غرایا۔ "لیکن تم اسے ثابت نہیں کر سکو گے کہ میں کسی کا قاتل ہوں۔!"

"تم قاتل ہو.... ضرغام.... ساگر اور غفران سرکاری گواہ بن گئے ہیں۔!"

"میں نہیں جانتا کہ تم کن لوگوں کا ذکر کر رہے ہو۔!"

"لیکن وہ تو جواد کو جانتے ہیں، ساگر اور ضرغام کی موجودگی میں جواد نے باسط رشید کے پہلو میں خنجر اتار دیا تھا۔!"

"میں نہیں جانتا کہ تم کس جواد کا ذکر کر رہے ہو۔!"

"رحمت بلڈنگ کے فلیٹ نمبر بیالیس سے وہ فیس ماسک مل گیا ہے جسے جواد استعمال کرتا تھا اور اس فیس ماسک پر صرف تمہاری انگلیوں کے نشانات ہیں۔ سگریٹ کا وہ پیکٹ بھی مل گیا ہے جو تم نے مقتول باسط رشید کی جیب سے اڑایا تھا۔ اُس پر بھی تمہاری انگلیوں کے نشانات ہیں۔ بہر حال بحری جہاز شر گل کو بھی دیکھ لیا جائے گا اور اب تک اُن تینوں گوداموں پر بھی چھاپے پڑ چکے ہوں گے جن میں مال رکھا جاتا ہے۔!"

"اوہ.... جہنم میں جاؤ.... دیکھا جائے گا.... میں آخری آدمی نہیں ہوں۔ تم لوگوں کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔!"

"آخری آدمی کا پتہ بتا دو تو شائد تمہارے ساتھ کچھ رعائت ہو جائے۔!"

"میں نہیں جانتا.... جانتا بھی ہوتا تو ہرگز نہ بتاتا۔ ہاں میں قاتل ہوں۔ پھانسی ہوگی۔ مر

جاؤں گا کیا فرق پڑے گا۔ مرنا تو ویسے بھی تھا۔ ایک دن لیکن تم سبھوں کے چیتھڑے اڑ جائیں۔ تم دیکھ لینا۔!"

"وہ فون نمبر تو تمہارے فرشتے بھی بتائیں گے جس پر تم نے باسط رشید کے فلیٹ سے کر نامعلوم آدمی سے گفتگو کی تھی۔!"

"اوہ.... ضرور.... ضرور.... لکھ لو وہ فون نمبر.... اگر تم اسے تلاش کر سکے تو پھانسی پا سے قبل اپنی آدھی دولت تمہارے نام لکھوا جاؤں گا۔!"

پھر سچ مچ اس نے ایک فون نمبر بتا کر کہا۔ "تم یہیں سے فون کر کے اس سے گفتگو کر سکتے ہو۔!"

"فضول باتوں میں نہ پڑیئے۔!" انسپکٹر شاہد بولا۔ "مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسے یہاں سے لے جاؤں۔!"

"ٹھیک ہے لے جاؤ....!" عمران نے کہا اور کافی ہاؤز سے نکل آیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر صفدر او نعمانی بھی ایک جیپ میں موجود تھے۔ عمران اپنی جیپ میں آبیٹھا اور فلیٹ کی طرف چل پڑا۔ اب یہاں سے سائیکو مینشن نہیں جانا چاہتا تھا۔ صفدر اور نعمانی اس کے پیچھے چلے تھے کچھ دور جا کر عمران نے انہیں ٹرانس میٹر پر مخاطب کر کے کہا۔ "تم دونوں سائیکو مینشن جاؤ.... میرے پیچھے نہ آؤ۔!"

اور پھر وہ اپنے فلیٹ میں پہنچا۔ جلد از جلد اُس فون نمبر کو آزمانا چاہا تھا جو دارا نے انتہائی غصے کے عالم میں انہیں بتاتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس نمبر کا سراغ نہیں پا سکیں گے۔

"اُس نے فون پر وہی نمبر ڈائیل کئے اور دوسری طرف سے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آئی اور پھر کسی نے غرا کر پوچھا۔ "کون ہے....؟"

"علی عمران....!"

"اوہو.... تم ہو....؟ اچھا اب اپنے کفن دفن کا انتظام خود ہی کر لو۔ مجھے ایک ایک پل کی خبریں پہنچ رہی ہیں۔ پورے شہر کو جہنم بنا کر رکھ دوں گا۔!"

"خود کہاں ہو گے۔" عمران نے پوچھا۔

"شٹ اپ" کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ عمران نے الوؤں کی طرح دیدے نچائے اور ریسیور کریڈل پر رکھ کر سوچنے لگا کہ یہ آواز نواب شاطر کی تو نہیں تھی۔ شائد دارا نے خود کو شبہے سے بالاتر رکھنے کے لئے نواب شاطر والے واقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ شائد اس میں کامیاب بھی ہو جاتا اگر عمران نے اُسے باسط رشید کے فلیٹ میں پہلے ہی نہ دیکھ لیا ہوتا۔

کچھ دیر بعد اس نے کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائیل کئے دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

"واقعی یار تم نے کمال کر دیا۔" فیاض کی چہکار سنائی دی۔ "اُن گوداموں سے اسلحے کی پیٹیاں بھی برآمد ہوئی ہیں اور چوکیداروں نے بتایا تھا کہ وہ کسی جواد صاحب کے گودام ہیں۔ تمہارا شکریہ کہ شاہد جواد صاحب کو ساتھ لے آیا ہے۔!"

"لیکن جواد آخری آدمی نہیں ہے۔ آخری آدمی کو اب تم خود تلاش کر لینا۔ ٹاٹا....!" کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا اور اس طرح کا منہ بنائے ہوئے آرام کرسی پر گر پڑا جیسے نادانستگی میں کوئی کڑوی کسیلی چیز کھا گیا ہو۔

پھر یک بیک اٹھ بیٹھا اور فون پر جولیانا فٹنر واٹر کے نمبر ڈائیل کر کے ایکس ٹو کی آواز میں اُسے مخاطب کیا۔

"یس سر....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"عمران کبھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھاتا۔ بالآخر یہ ہمارے ہی محکمے کا کیس بن گیا ہے۔!"

"میں نہیں سمجھی جناب....!"

"اُن تینوں گوداموں میں دوسرے سامان کیساتھ اسمگل کیا ہوا آتشیں اسلحہ بھی موجود ہے۔!"

"اُوہ.... تب تو جی ہاں.... ہمارا ہی کیس ہے۔!"

"صفدر کے پاس گوداموں کے پتے موجود ہیں۔ تم لوگ بھی انہیں دیکھنے کی کوشش کرو۔!"

"بہت بہتر جناب.... ابھی سب کو آگاہ کرتی ہوں۔!"

رابطہ منقطع کر کے عمران پھر آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا اور گلرخ کو آواز دی۔

"جی صاحب....!" اس نے آنے میں دیر نہ لگائی۔

"بول چال ہوئی اُس مردود سے یا نہیں....!"

"وہ تو کوشش کر رہا ہے لیکن میں خود ہی منہ نہیں لگا رہی۔!"

"کب تک یہ سلسلہ چلے گا۔!"

"جب تک جان میں جان ہے۔!"

"تم دونوں ہی بے حد ناتجربہ کار ہو۔!"

"جی میں نہیں سمجھی۔!"

”ابھی تم دونوں ہی شادی کے قابل نہیں تھے۔ خواہ مخواہ یہ تقریب برپا ہوگئی۔ خیر وہ کمبخت بھکاری کیا کر رہا ہے۔!“

”پڑا سو رہا ہے۔ کسی ہومیو پیتھ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کی نشے کی خواہش کا خاتمہ کر دے گا اس سے دوائیں لا کر کھا رہا ہے۔!“

”اچھی خبر ہے.... اگر اس دوران میں تیرے شوہر نامداد کو کوئی نئی نہیں سوجھ جاتی۔ سلیمان کہاں ہے۔!“

”خدا جانے.... جب تک جیب میں پیسے ہیں.... گھر میں قدم نہیں ٹکیں گے۔!“

”فکر نہ کر.... مفلس کر کے ماروں گا۔!“

”اگر آپ ہی منہ لگانا چھوڑ دیں تو خود بخود سنبھل جائے گا۔ مجھے یقین ہے۔!“

”اچھا جی.... تو اب تو بھی مجھے ہی الزام دیگی۔!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اس نے ریسیور اٹھا کر گلرخ کو جانیکا اشارہ کیا۔ دوسری طرف سے کیپٹن فیاض کی آواز آئی۔

”واقعی بڑی عجیب بات ہے۔!“ فیاض کہہ رہا تھا۔ ”فون کا سراغ نہیں مل سکا۔ جس پتے پر فون کے بل جاتے ہیں وہ خالی پلاٹ پڑا ہوا ہے۔ اس پر ابھی تک کوئی تعمیر نہیں ہوئی۔ اب پلاٹ کے مالک کی تلاش جاری ہے۔!“

”مل جائے تو مجھے بھی مطلع کرنا....!“ عمران نے کہا۔

”ارے بس.... اب تم آرام کرو.... ہم دیکھ لیں گے۔!“ فیاض بولا۔

”میں آرام نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ نامعلوم آدمی میرے علاوہ اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ خیر تو ٹیلی فون کے بلوں کی ادائیگی بھی ہوتی ہے یا نہیں۔!“

”اس سلسلے میں پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔ ابھی مجھے رپورٹ نہیں ملی۔ ملنے پر مطلع کروں گا۔!“

”بہت بہت شکریہ.... بہت زیادہ شرافت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔!“

”لیکن مجھے اب بھی یقین ہے کہ وہ جوزف ہی تھا۔!“ فیاض نے کہا۔ ”اگر تم پہلے ہی سے اُس چکر میں نہیں تھے تو فوری طور پر یہ کیسے معلوم کر لیا تھا کہ مقتول کسٹمز انٹیلی جنس کا آدمی تھا۔!“

”اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اپنے کام سے کام رکھو۔“ عمران نے کہا۔

”کیا میں کچھ سادہ لباس والے تمہاری دیکھ بھال کے لئے روانہ کر دوں۔!“

”نہیں شکریہ.... میں خود ہی اپنی دیکھ بھال کر لیتا ہوں۔!“

”تم اصل خطرے کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔!“ فیاض نے کہا۔ ”وہ بے حد خطرناک آدمی ہے اور پھر اندھیرے کے تیر سے تو ہوشیار رہنا ہی چاہئے۔!“

”کیا اس سے گفتگو کر چکے ہو۔!“

”کیوں نہیں.... نمبر ڈائیل کرتے ہی پہلے کتے کے بھونکنے کی آواز آتی ہے پھر وہ غرانے لگتا ہے۔ دھمکیاں دینے لگتا ہے۔!“

”کس قسم کی دھمکیاں....!“

”یہی کہ اگر اس کیس کو اسی مرحلے پر ختم نہ کر دیا گیا تو وہ پورے شہر کو جہنم بنا کر رکھ دے گا اور خود اُس تک کبھی کسی کی رسائی نہیں ہو سکے گی۔!“

”تمہیں تو بہت تاؤ آتا ہوگا۔!“

”سوال تو یہ ہے کہ اگر وہ تمہارے پیچھے پڑ گیا تو تم کیا کرو گے۔!“ فیاض نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے کہا۔

”پہلے سے میں کبھی کچھ نہیں سوچتا۔ جب وہ حملہ آور ہوگا۔ اُسی وقت دیکھا جائے گا۔!“

”بہر حال اُس کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کیس کو دارا ہی پر ختم کرا دینا چاہتا ہے۔!“

”فی الحال اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ تم کیس عدالت میں پیش کر دو۔ ورنہ معاملہ طول پکڑ جائے گا۔!“

”میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔!“

”اور سنو.... اب یہ سر سلطان ہی کے محکمے کا کیس بن گیا ہے۔!“

”وہ کس طرح....!“

”آتشیں اسلحہ بھی تو برآمد ہوا ہے اُن گوداموں سے۔!“

”تو گویا تمہاری دخل اندازی بھی جاری رہے گی۔!“

”اگر سر سلطان نے درخواست کی تو۔ ورنہ میرا اس نامعلوم آدمی سے نجی معاملہ تو چلتا ہی رہے گا۔ اس کا خیال ہے کہ میری دخل اندازی ہی کی بناء پر اتنی جلدی یہ کھیل ختم ہو گیا ورنہ دوسرے سالہا سال تک جھک مارتے رہتے۔!“

“اتنا اونچا اڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔!” فیاض کے لہجے میں بیزاری تھی۔

“میرا اپنا ذاتی خیال نہیں ہے۔ اسی کی رائے ہے۔!”

“خیر خیر.... دیکھا جائے گا۔!” کہہ کر فیاض نے رابطہ منقطع کر دیا۔ عمران نے بھی ریسیور رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی۔ اُس نے پھر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی تھی۔

“شروع میں بھونکتے ہی ہو کیا....؟” عمران نے پوچھا۔

“بکواس بند کرو....!” دوسری طرف سے آواز آئی۔ “تم نے ان لوگوں سے بزنس میں شرکت کی بات کی تھی جو بااختیار نہیں تھے۔!”

“تو پھر میں کس سے بات کرتا۔ تمہارا فون نمبر تو دارا نے بڑی جھلاہٹ کے ساتھ مجھے بتایا تھا اس دعویٰ کے ساتھ کہ اس کے باوجود بھی باس کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا۔!”

“میں ایک اچھے کارپرواز سے محروم ہو گیا ہوں اس پر مجھے بے اندازہ غصہ ہے۔!”

“اس کے باوجود بھی تمہارا بزنس جاری رہے گا۔ کیوں....؟” عمران نے سوال کیا۔

“اُسے کون روک سکتا ہے۔ ان تین گوداموں کی حقیقت ہی کیا تھی۔ بس یہ سمجھ لو کہ جو لوگ اس وقت پولیس کی گرفت میں ہیں وہ اس سے آگے کا حال نہیں جانتے۔ لامحدود ہوں۔!”

“ہاں تو اب مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا ہو گا۔!”

“کس سلسلے میں....؟” پوچھا گیا۔

“تمہارے بزنس میں حصہ حاصل کرنے کے لئے۔!”

“کیا تم واقعی سنجیدہ ہو....!”

“یقیناً.... ورنہ میں اپنی زندگی کو خطرے میں کیوں ڈالتا....!”

“اگر میں نے دو فیصد بھی تمہارے حوالے کر دیئے تو تم چھ ماہ میں کروڑ پتی ہو جاؤ گے۔”

“ویری فائن.... میں بالکل تیار ہوں۔!”

“اچھا تو آج رات کو اسی جنک یارڈ میں تنہا آجاؤ جہاں پچھلی رات کو تھے۔!”

“تنہا کیوں بلا رہے ہو....!”

“یہ بزنس ایسا نہیں ہے کہ تم پارٹنرشپ ڈیڈ پر دستخط کرانے کیلئے کچھ گواہ بھی اپنے ساتھ لاؤ۔!”

“اچھی بات ہے دوست تم بھی کیا یاد کرو گے۔ میں ضرور آؤں گا۔!”

“لیکن اگر ایک کتے کا پلا بھی تمہارے ساتھ ہوا تو نتیجے کے خود ذمہ دار ہو گے۔!”

“فکر نہ کرو.... میں جو کچھ کہتا ہوں اُس پر قائم رہتا ہوں۔ اب تک بڑے بڑے ترم خانوں سے نپٹ چکا ہوں۔ اور بحمد للہ زندہ اور سلامت ہوں۔!”

“تمہارے گروہ میں کتنے آدمی ہیں۔!”

“صرف چار عدد....!”

“بلیک میلنگ سے ماہانہ کتنی آمدنی ہو جاتی ہے۔!”

“بس اتنی کہ ہم پانچوں عیش کرتے ہیں۔!”

“سنو مجھے عرصہ سے ایسے کسی آدمی کی تلاش تھی جو پولیس سے بھی قریب ہو۔ تم اس معیار پر پورے اترتے ہو۔ اس لئے بات بن جائے گی۔!”

“میرے چاروں آدمی بھی شریک ہوں گے۔!”

“تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ چار ہوں یا چالیس مجھے اس سے سروکار نہیں۔!”

“اچھا تو پھر آج رات کو اُسی جنک یارڈ میں....!” عمران نے کہا۔

“ہاں ٹھیک گیارہ بجے۔ لیکن ایک بار پھر سن لو کہ تنہا آؤ گے۔!”

“جو بات طے پا گئی میں اُسی پر قائم رہوں گا۔ تم بے فکر رہو۔!” عمران نے کہا اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اُس کی آنکھوں میں ذرہ برابر بھی تشویش کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے فون پر سائیکو مینشن کے نمبر ڈائیل کئے اور صفدر سعید سے کنکٹ کرنے کو کہا۔

“ہیلو....!” دوسری طرف سے صفدر کی آواز آئی۔

“ان تینوں کو ابھی اپنی ہی تحویل میں رکھنا.... فیاض کے حوالے کرنے کی ضرورت نہیں۔!”

“کوئی نئی اسکیم....!”

“ہاں ہے.. آخری آدمی کے ہاتھ لگنے سے پہلے میں انہیں اپنی ہی تحویل میں رکھنا چاہتا ہوں۔!”

“پھر عدالت میں کیا ہو گا۔ اُن تینوں کی شہادت کے بغیر دارا کے خلاف کیس کمزور ہی رہے گا۔!”

“ہاں یہ بھی درست ہے۔ خیر فی الحال انہیں اپنے ہی پاس رد کنا ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو دیکھا جائیگا۔!”

اس نے رابطہ منقطع کر کے طویل سانس لی اور پھر آرام کرسی پر نیم دراز ہو کر اونگھنے لگا۔

اسی شام کو اس نے اُس ویران جنک یارڈ میں جانے کی تیاریاں شروع کردیں جس میں
رات کو ایک خطرناک تجربہ ہو چکا تھا۔ قریباً سات بجے اس نے پھر اس نامعلوم آدمی کی کال ر
کی وہ کہہ رہا تھا۔

"تم ٹھیک گیارہ بجے وہاں پہنچو گے اور میں گیارہ اور بارہ کے درمیان وہاں تم سے ملوں
مطلب یہ ہے کہ کہیں دس پانچ منٹ انتظار کر کے تم وہاں سے چل نہ پڑو۔!"

"تو گویا مجھے بارہ بجے تک تمہارا انتظار کرنا پڑے گا۔!" عمران نے پوچھا۔

"بالکل یہی بات ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "لیکن بارہ نہیں بجیں گے۔ تم مطمئ
رہو۔ بارہ اور گیارہ کے درمیان کی بات ہے۔!"

"میں سمجھ گیا۔!"

"اور ایک بار پھر سن لو کہ آس پاس کسی اور کی موجودگی کا علم مجھے ہو جائے گا اور پھر جو کچھ بھ
ہو گا اُس کی ذمہ داری تمہی پر ہو گی۔!"

"بار بار یاد نہ دلاؤ میں وہی کرتا ہوں جو کچھ میری زبان سے نکل جائے قطعی تنہا آؤں گا۔ لیکن
خالی ہاتھ نہیں ہوں گا۔!"

"اسکی پرواہ نہیں۔!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم اپنے ساتھ جو اسلحہ چاہو لا سکتے ہو۔!"

"صرف ریوالور ہو گا میرے پاس۔۔۔۔!" عمران نے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔!"

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر عمران نے بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اس کال کے بعد سے اُس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ لیکن اُسے وہاں اکیلے ہی جانا تھا۔ اُس نے اپنے ماتحتوں سے بھی اس کا ذکر نہ کیا کہ وہ کسی سے کیا گفتگو کر چکا ہے۔ بس ساڑھے نو بجے کے قریب اس نے ہتھکڑیوں کا ایک جوڑا لیا تھا بغلی ہولسٹر میں ریوالور رکھا تھا کچھ فالتو راؤنڈ لئے تھے اور ٹو سیٹر میں بیٹھ کر نکل کھڑا ہوا تھا۔ ایک اچھے سے ہوٹل میں کھانا کھایا اور ٹھیک ساڑھے دس بجے بندرگاہ کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اپنے انداز کے مطابق وہ صرف پندرہ منٹ میں اُس جنک یارڈ تک پہنچ سکتا تھا۔

گاڑی اس نے جنک یارڈ کے باہر ہی ایک محفوظ جگہ پر اندھیرے میں چھوڑ دی اور پیدل چلتا ہوا عمارت کے قریب پہنچ گیا۔ دروازہ کھلا ہوا ملا لیکن عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس نے دیا سلائی جلا کر کمرے میں رکھا ہوا لیمپ روشن کیا اور پھرتی سے فرش پر لیٹ کر رینگتا ہوا دوسرے تاریک کمرے سے گزرا۔ وہ کچن میں پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر عقبی دروازے کو دیکھا وہ بھی کھلا ہوا ہی ملا۔ گویا پچھلی رات اس نے اس عمارت کو جس حال میں چھوڑا تھا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

وہ دروازہ کھول کر اُسی طرح رینگتا ہوا باہر نکل گیا۔ مطلع ابر آلود ہونے کی بناء پر باہر گہری تاریکی تھی۔ وہ اسی طرح اندھیرے میں رینگتا ہوا عمارت کے سامنے پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ بالکل تنہا تھا۔ لیکن "آبیل مجھے مار" قسم کی دعوتیں خود اُسے دعوت فکر دیتی تھیں اور اسی دعوت فکر نے تو اُسے بہت زیادہ محتاط ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

عمارت کے پہلے کمرے میں خود اُسی نے لیمپ روشن کیا تھا اور کھڑکی کے شیشوں سے پھوٹنے والی روشنی اس قدر تو تھی ہی کہ اس سے برآمدہ بھی کسی حد تک روشن ہو جاتا۔ وہ ایک گاڑی کے ڈھانچے میں گھس کر بیٹھ گیا۔ پوزیشن ایسی تھی کہ یہاں سے برآمدے پر بخوبی نظر رکھ سکتا تھا۔

ریڈیم ڈائیل والی گھڑی پر نظر ڈالی۔ ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ اچانک ایک زبردست دھماکہ ہوا اور عمران کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ہو۔ سامنے والی عمارت سے آگ کے لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ عمارت کا کچھ ملبہ گاڑی کے اس ڈھانچے کی چھت پر بھی گرا تھا جس میں عمران چھپا بیٹھا تھا۔ عمارت پوری طرح تباہ ہو گئی تھی۔ آگ کی لپٹوں سے جنک یارڈ کا بیشتر حصہ روشن ہو گیا تھا۔ عمران نے ہولسٹر سے ریوالور نکالا اور نکاسی کے راستے کی طرف دوڑا دی۔ ہر چند کہ یہ جنک یارڈ آبادی سے بہت دور تھا۔ لیکن دھماکے نوعیت ایسی تھی کہ پولیس کو فوری طور پر متوجہ ہو جانا ضروری تھا۔

اپنی گاڑی میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرتے وقت وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ عمارت ہی میں اُس کا انتظار کر رہا ہوتا تو کیا ہوتا۔۔۔۔؟

دراصل اُس کی آخری کال ہی نے اُسے چوکنا کر دیا تھا۔

"خیر بیٹا اب میں تمہیں دیکھوں گا۔!" وہ دانت پر دانت جما کر بڑبڑایا اور گاڑی حرکت میں آگئی۔

عمران سیریز نمبر 116

آخری آدمی

(دوسرا حصہ)

پیش رس

جاسوسی ادب کے پہلے اور آخری آدمی کا ناول ”آخری آدمی“ پیش خدمت ہے۔ یہ ناول ابو نے اپنی علالت کے دوران ہی مکمل کر لیا تھا مگر ان کی حسب خواہش، ملک میں بارشوں اور سیلابی کیفیتوں کے باعث اسے شائع نہ کیا جا سکا۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ 26 جولائی 1980 کو یہ عظیم سانحہ ہو جائے گا اور وہ اسے خود شائع نہ کرا سکیں گے اور اس کی اشاعتی ذمہ داری میرے کمزور کاندھوں پر آپڑے گی اور اب میں کہاں تک اپنی کوششوں میں کامیاب ہوا ہوں یہ آپ کی رائے پر منحصر ہے۔

ابو کے ہر ناول کے یہ صفحات جن پر آج آپ میری تحریر دیکھ رہے ہیں اپنی جگہ ادب کا ایک انمول نمونہ ہوتے تھے آج جب مجھے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ میں اپنے بے وقعت الفاظ سے ان صفحات کو سیاہ کر دوں تو میرے لئے ایک سطر بھی لکھنا مشکل ہو رہا ہے۔ ابو کا طریق کار یہ تھا کہ وہ نئی کتاب کا نام و پیش رس سب سے آخر میں اس وقت تحریر کرتے تھے جب آخری کاپی پریس میں ہوتی تھی۔ لیکن مرگ ناگہانی نے ان کو اس بات کی مہلت نہ دی۔

آخر میں ان تمام قارئین اور ملنے والوں کا اپنے اہل خاندان کی جانب سے شکر گذار ہوں جنہوں نے اس دلخراش سانحے پر تعزیتی خطوط لکھے یا بہ نفس نفیس آکر تعزیت کی۔

والسلام
ابرار صفی

* * *

وعدہ معاف گواہ کو بڑی احتیاط سے عدالت کی طرف لایا جارہا تھا۔ کیپٹن فیاض کے محکمے کی بند گاڑی تھی جس میں کئی مسلح افراد موجود تھے اور ان کے درمیان غفران نامی وعدہ معاف گواہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس سلسلے مین کیپٹن فیاض نے لاپرواہی نہیں برتی تھی بلکہ معاملہ فہمی کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن مقدرات پر تو کسی کا بھی بس نہیں ہے۔ قیدی عدالت کے صدر دروازے کے سامنے گاڑی سے اتر ہی رہا تھا کہ اچانک چاروں خانے چت سڑک پر آگرا۔ اُس کی پیشانی سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔

فائر بے آواز ہوا تھا لیکن سمت کا اندازہ بہر حال فوری طور پر لگا لیا گیا تھا۔ سامنے ایک کئی منزلہ عمارت تھی۔

جتنی دیر میں عمارت کی تلاشی لی جاسکتی کام کرنے والا اپنا کام کر کے میلوں دور نکل گیا ہو گا۔

کیپٹن فیاض کو اس کی اطلاع ملی تو موقع واردات پر خود دوڑا آیا اور ۔ سامنے والی عمارت کے اس خالی فلیٹ تک بھی پہنچ گیا جہاں سے وعدہ معاف گواہ پر فائر کیا گیا تھا۔ قاتل سائیلنسر لگی ہوئی رائفل وہیں چھوڑ گیا تھا۔

فلیٹ اس وقت خالی ضرور تھا لیکن وہاں کوئی رہتا بھی تھا۔ کیونکہ اعلیٰ درجے کا فرنیچر ہر کمرے میں موجود تھا اور ملبوسات کی الماری بھی تھی جس میں زنانہ مردانہ دونوں قسم کے لباس موجود تھے۔ لیکن بڑی عجیب بات تھی کہ پورے فلیٹ میں کہیں بھی کسی کی انگلیوں کے نشانات نہ مل سکے۔

اس منزل کے دوسرے رہنے والوں میں سے بھی کوئی یہ نہ بتا سکا کہ اس فلیٹ کا مالک کون ہے کیونکہ آج کے علاوہ انہوں نے اُس فلیٹ کو ہمیشہ مقفل ہی دیکھا تھا۔

”عمران کا کچھ سراغ ملا....!“ کیپٹن فیاض نے آہستہ سے انسپکٹر شاہد سے پوچھا۔

”نہیں جناب تین دن پہلے کی بات ہے رات کو فلیٹ سے گئے تھے آج تک واپسی نہیں ہوئی۔!“

”اُسے تلاش کرو.... ورنہ یہ شخص دار اعدالتی کارروائی کے دوران میں ہمارے ہاتھوں سے پھسل جائے گا۔!“

”میں انہیں تلاش کرنے کی بھی انتہائی کوشش کر رہا ہوں جناب....!“

عدالتی کارروائی اُس دن ملتوی کر دی گئی۔ لیکن اس واقعہ کی بناء پر سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ انسپکٹر شاہد نے سارے کام چھوڑ کر صرف عمران کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن کہاں۔ فلیٹ سے آگے کا اُسے علم نہیں تھا۔

دوسری طرف کیپٹن فیاض اپنے آفس میں پہنچا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اس نے ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف سے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی پھر پوچھا گیا ”کون ہے....؟“

”کیپٹن فیاض....!“

”اب کیا خیال ہے....؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”بہت جلد تمہیں تمہارے بل سے نکال لیا جائے گا۔!“ کیپٹن فیاض نے کہا۔

”تمیز سے گفتگو کرو!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں۔!“

”اگر آپ اپنی پہچان کرا دیں تو آئندہ احتیاط برتی جائے گی۔!“ فیاض نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”اس قصے کو یہیں ختم کر دو کیپٹن فیاض ورنہ میں اپنی دھمکی کے مطابق سچ مچ اس شہر کو جہنم نادوں گا اور ہاں سنو! مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہیں عمران کی تلاش ہے۔!“

”بہت باخبر معلوم ہوتے ہو جناب عالی.. میرا خیال ہے کہ میں اب تمیز سے گفتگو کر رہا ہوں۔!“

اس کے طنز کو نظر انداز کر کے بولا۔ ”بندرگاہ کے علاقے والے جنک یارڈ کا دھماکا یاد ہے نا؟ ران وہاں اُس عمارت میں میرا منتظر تھا کہ اچانک وہ عمارت دھماکے سے اڑ گئی۔!“

”نہیں....!“ فیاض بوکھلا کر کرسی سے اٹھ گیا اور دوسری طرف سے قہقہہ سنائی دیا ساتھ ہی تا بھی بھونکنے لگا اور پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

دونوں کی گفتگو ٹیپ ہوئی تھی فیاض نے ٹیپ ریکارڈر سے اسپول نکالا اور رحمان صاحب کے فس کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ سچ مچ خاصا بدحواس نظر آرہا تھا۔

رحمان صاحب آفس ہی میں موجود تھے۔ دو تین منٹ بعد انہوں نے فیاض کو بلا لیا۔

فیاض یہاں آتو گیا تھا لیکن اب اسکی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ گفتگو کا آغاز کس طرح کرے۔

"کیا بات ہے۔۔۔؟" رحمان صاحب اُسے گھورتے ہوئے بولے۔

"بُری خبر ہے جناب سمجھ نہیں آتا کہ کس طرح۔۔۔!"

"ہوں تو شاید کچھ عمران سے متعلق ہے۔۔۔؟"

"جج جی ہاں۔۔۔!" فیاض نے کہا اور جلد جلد بتانے کی کوشش کرنے لگا کہ اُس نامعلوم مجر سے وہ افسوس ناک اطلاع کس طرح ملی تھی۔

"ریٹائرنگ روم میں چلو!" رحمان صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔ "اور وہ ٹیپ ریکارڈر بھی اٹھالو!" ان کا لہجہ بے حد پُرسکون تھا۔ دونوں ریٹائرنگ روم میں آئے اور کیپٹن فیاض ٹیپ ریکارڈر میں اسپول لگانے لگا۔

رحمان صاحب نے وہ گفتگو بھی پُرسکون انداز میں سنی اور آنکھیں بند کر کے کچھ سوچتے رہے۔ پھر بولے۔ "ایک بار وہ سمندر میں بھی غرق ہوچکا ہے اور متعدد بار دوسرے حوادث کا شکار ہوجانے کی خبریں بھی پھیلی ہیں۔۔۔ لیکن۔۔۔ خیر ہاں تو۔۔۔ فی الحال مسئلہ ہے اس نامعلوم آدمی کا۔ مجھے حیرت ہے کہ تم لوگ ابھی تک اس فون تک نہیں پہنچ سکے جس سے اُس کی کالز ہوتی ہیں۔!"

"پتا خالی پلاٹ کا ہے۔ پلاٹ کے مالک کا نام کاغذات میں عبدالغفور لکھا ہوا ہے۔ لیکن اُس کا پتہ بھی غلط ہے۔ اس پتے پر عبدالغفور نام کا کوئی آدمی کبھی نہیں رہا۔!"

"فون کے بلوں کی ادائیگی کس طرح ہوتی ہے۔۔۔؟" رحمان صاحب نے پوچھا۔

"بلوں کی ادائیگی عبدالغفور ہی کے نام پر برابر ہورہی ہے اور ان پر پتا اسی خالی پلاٹ کا درج ہوتا ہے۔ اس علاقے کے سارے ڈاکیوں سے پوچھ گچھ کی گئی ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی نہیں بتایا کہ کبھی کوئی کسی خالی پلاٹ پر ٹیلی فون کا بل لے کر پہنچا ہو۔!"

"اس کا مطلب ہوا کہ اندر ہی اندر ساری کارروائی ہو جاتی ہے۔!" رحمان صاحب بولے۔

"جی ہاں۔۔۔ لیکن بکنگ کلرک کا بیان ہے کہ وہ سارے بل ڈسپیچر کے حوالے کر دیتا ہے اور ڈسپیچر کے بیان کے مطابق سارے بل پوسٹ کر دیئے جاتے ہیں۔!"

"بس تو پھر آخری مرحلہ جی پی او کا رہ جاتا ہے۔!" رحمان صاحب بولے۔

"جی ہاں میں نے وہاں کئی افراد متعین کیئے ہیں جو پتا لگانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس ٹیلی

ون بل پر کون ہاتھ صاف کر دیتا ہے۔!"

"بس ٹھیک ہے، اپنی تگ ودو جاری رکھو۔۔۔۔۔ رہ گیا عمران کا معاملہ۔۔۔۔۔ میں اُس کے سلسلے میں ہر وقت بُری خبر سننے کو تیار رہتا ہوں۔!"

پتا نہیں کیوں رحمان صاحب کے دفتر سے واپسی پر فیاض خاصا مایوس تھا۔

* * *

عمران کا فلیٹ آج کل کچھ زیادہ ہی "آباد" ہو گیا تھا۔

عمران کی غیر موجودگی میں دو مہاجرین بھی آکر فلیٹ میں فروکش ہوگئے تھے۔ اس طرح یہ آبادی تین سے پانچ نفوس تک جا پہنچی تھی۔

یہ دونوں مہاجرین کوئی غیر نہیں ظفرالملک اور جیمسن تھے۔ یہ دربدری جیمسن کی وجہ سے ہی عمل میں آئی تھی۔

ہوا یوں تھا کہ جس فلیٹ میں یہ دونوں رہتے تھے اُسی کے برابر والے فلیٹ میں ایک عربی جوڑا آکر نیا نیا آباد ہوا تھا۔ آبائی عربی النسل تو شاید نہ ہو مگر تاثر یہی دیتا کہ وہ لوگ پشتینی عرب ہیں۔

انہی دنوں جیمسن پر بھی عربی لباس پہننے اور عربی لہجے میں اردو بولنے کا دورہ پڑا تھا۔

ظفرالملک نے سخت اعتراض کیا تھا اُس کی اس روش پر مگر اُس نے اُسے اپنا قطعی پرسنل معاملہ قرار دے کر ظفرالملک کے اعتراض کو رد کر دیا تھا اور دلیل یہ دی تھی کہ آخر تمام مسلمان عربی لباس کیوں نہیں اپناتے جبکہ رسولؐ عربی کی امت اپنے آپ کو کہتے ہیں۔ معمولی سے معمولی مرید بھی اپنے معمولی سے معمولی پیر کی پیروی کرتے ہوئے پیرانہ لباس زیب تن کر لیتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ لباس کے ساتھ ساتھ جیمسن نے عربی شہزادوں جیسی داڑھی بھی رکھ لی تھی۔ لیکن داڑھی کے مسئلے پر وہ ظفرالملک کے سامنے کوئی ٹھوس دلیل پیش نہیں کر سکا تھا کہ اس قسم کی داڑھیاں جو صرف ٹھوڑی کو زینت بخشتی ہوں وہ کس قسم کی پیروی کے کھاتے میں ڈالے گا۔

لباس اور داڑھی تک ہی محدود رہتا مگر اُس نے نام بھی تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور ظفرالملک کو اطلاع دے دی تھی کہ آئندہ اُسے نہ جمن کہا جائے اور نہ ہی جیمسن بلکہ اب وہ ابوال جمان ہے اردو بولتے وقت "ز" اور "ع" اور "ض" کو خالص عربی لہجے میں ادا کرنے کی پریکٹس بھی شروع کر دی تھی اور یہی پریکٹس فلیٹ بدر کرنے کو کافی ثابت ہوئی تھی۔

نئے نئے وارد ہونے والے عربی جوڑے سے زبردست جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس کی بیوی کو شکایت تھی کہ یہ شخص ابوال جمان آتے جاتے اُس سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے یہ بات اُس نے اپنے شوہر سے کہہ دی تھی اور شوہر غیرت شوہریت سے جل کر ظفر الملک پر چڑھ دوڑا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ شوہر نے ایک قدم آگے بڑھ کر فلیٹ کے مالک کو بھی اطلاع دے دی تھی۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ دوسرے ہی دن بلڈنگ کے مالک نے ان دونوں کو فلیٹ پر جالیا اور ایک تحریری نوٹس ظفر الملک کو پکڑا کر چلا گیا۔ نوٹس کے مطابق انہیں دس دن کے اندر اندر فلیٹ خالی کرنا تھا کیونکہ وہ ”بیوی بچوں“ سے محروم تھے اور جیمسن نے مالک فلیٹ سے جھوٹ بول کر فلیٹ حاصل کیا تھا کہ ”چھ ماہ“ کے اندر ہی ”بیوی بچے“ آجائیں گے۔ حسب وعدہ چونکہ بیوی بچے نہ آسکے تھے اور نہ آنے کا امکان تھا۔ لہٰذا ظفر الملک کو فلیٹ چھوڑ دینے کا فیصلہ کرنا ہی پڑا تھا۔

جیمسن نے مالک فلیٹ کو یہ بات سمجھانے کی لاکھ کوشش کی کہ وہ عربی خاتون سے اس لئے بات کرنا چاہتا تھا کہ اپنی ”ز، ع، ض“ عربی لب ولہجے کے مطابق صحیح کر سکے مگر مالک فلیٹ نے ایک بھی عذر نہ مانا اور دونوں کو فلیٹ سے نکال باہر کیا تھا۔

ملا کی دوڑ مسجد تک! دونوں اپنا اپنا سوٹ کیس اٹھا کر عمران کے فلیٹ میں آگھسے تھے۔ یہ بھی جیمسن کا ہی مشورہ تھا کہ عمران کے فلیٹ میں جاگھستے ہیں۔ کوئی متبادل بندوبست ہو جائے گا تو وہاں سے شفٹ ہو جائیں گے۔

تجویز چونکہ معقول تھی لہٰذا ظفر الملک کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ سلیمان نے ان دونوں کو دیکھ کر ناک بھوں تو بہت چڑھائی مگر گلرخ نے اُسے یہ کہہ کر لتاڑ دیا تھا کہ صاحب جی کے لواحقین ہیں اور یہیں رہیں گے۔ یہی نہیں بلکہ اُن دونوں کے لئے فلیٹ کا وہ کمرہ جو بطور اسٹور روم کام میں آرہا تھا اُسے خالی کر کے صاف کر دیا تھا۔

◆

صبح سے شام.... شام سے رات ہو گئی تھی۔ گلرخ تھی کہ وقفے وقفے سے روئے جا رہی تھی۔

فیاض نے فون کر کے جوزف کو بتا دیا تھا کہ اب عمران کو صبر کر لے کیونکہ جنک یارڈ کی اس عمارت میں عمران بہ نفس نفیس موجود تھا جب وہ عمارت دھماکے سے اڑی تھی۔ یہ سن کر ہی گلرخ نے رونا شروع کر دیا تھا۔

جوزف بھی پہلے تو دہاڑیں مار مار کر رویا تھا مگر اچانک ہی نہ جانے کیا ہوا کہ گلرخ کو روتے دیکھ کر اس نے ایک دم چپ سادھ لی تھی۔

فیاض کے بیان کے مطابق اس واقعے کو چار دن گزر گئے تھے اور اُس نے ان لوگوں کو آج ہی بتایا تھا۔

جیمسن اور ظفر الملک بھی کھوئے سے تھے۔ انہیں یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ عمران ایسی بے چارگی سے بھی مر سکتا ہے۔

اس وقت بھی گلرخ روئے جا رہی تھی۔ روتے روتے آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور ناک تو پھول کر کپا ہو گئی تھی۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ ظفر الملک اور جیمسن اُسے سمجھا بجھا کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے اور ڈرائنگ روم میں سلیمان، جوزف اور گلرخ رہ گئے تھے۔

سلیمان بہت دیر سے گلرخ کو تسلیاں دے رہا تھا۔

”اری نیک بخت! اب چپ ہو جا۔ صبح سے روئے جا رہی ہے۔ نہ کچھ کھایا نہ پیا....!“ سلیمان نے گلرخ کو چمکارتے ہوئے کہا۔

”ہاں.... ہاں.... تو پیٹ بھر کر روٹی کھا....!“ گلرخ تڑپ کر بولی۔ ”میرے علاوہ انہیں رونے والا اور ہے بھی کون....؟ ہائے ہائے.... صاحب جی۔!“ گلرخ نے پھر آواز بلند کی۔

”چپ کر بڑی آئی سگی بن کر....!“ سلیمان نے بگڑ کر کہا۔ ”جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں تجھے اس گھر میں آئے ہوئے۔ تجھے کیا خبر کہ اس گھر میں آئے دن اُن کی موت کا ڈرامہ ہوتا رہتا ہے۔ کوئی ایک بار مرے ہیں وہ؟ دس بارہ تو میں گنوا سکتا ہوں۔ کبھی کبھی تو پورا پورا مہینہ مرے رہے ہیں جبکہ ابھی تو صرف چار دن ہی ہوئے ہیں۔!“

”بڑا نمک حرام ہے تو....!“ گلرخ رونا دھونا چھوڑ کر ناک سڑکتی ہوئی بولی۔ ”کیسے اُن کے مرنے کا ذکر کر رہا ہے۔!“

”تو ہی روئے جاتی ہے۔ بدشگون کہیں کی۔ وہ ایسے نہیں مر سکتے حادثاتی موت ان کے نصیب میں ہوتی تو ہزار بار مر چکے ہوتے حادثے تو خود اُن سے کترا کر گزر جاتے ہیں۔ وہ جب بھی مریں گے اپنے بستر پر آرام سے لیٹ کر اور ساتھ میں میری آدھی جان کر کے مریں گے۔ تو اطمینان رکھ۔!“ سلیمان نے اُسے سمجھانے والے لہجے میں کہا۔

“بڑے صاحب کو خبر ہوگی تو اُن کا نہ جانے کیا حال ہوگا....؟” گلرخ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

“بس.... بس....!” سلیمان ہاتھ اٹھائے ہوئے بولا۔ “بڑے صاحب کا نام نہ لے.... اگر وہ گٹ کے باپ ہوتے تو چھوٹے صاحب ایسے ہوتے ہی کیوں۔ اگر سچ مچ بھی مر جائیں گے نا.... تو اُن کے باپ کو یقین نہیں آئے گا۔ سب سمجھتا ہوں ہم ہی صاحب کے وارث ہیں اور بس۔!”

“اے.... اے.... ناہنجار.... صاحب کے باپ دادا تک پہنچ رہا ہے۔!” گلرخ بگڑ کر بولی۔

“تجھے کیا....؟ تیرے باپ دادا تک تو نہیں پہنچ رہا....!”

“پہنچ کر تو دیکھ... گدی سے زبان کھینچ لوں گی۔ پٹھانی ہوں۔!” گلرخ آستین چڑھاتی ہوئی بولی۔

“ٹم.... سالا.... فر.... فائیٹ کیا....!” جوزف ایک دم دہاڑا۔ بہت دیر سے ان دونوں کی بک بک سن رہا تھا۔

“کالئے.... تو نہ بولیو....!” سلیمان نے اُس کی طرف مڑ کر آنکھیں نکالیں۔ “یہ ساری نحوست تیری ہی پھیلائی ہوئی ہے۔ کل جبا ہے.... جتنا تو کالا ہے نا.... دل تیرا اُس سے بھی زیادہ کالا ہے۔ تیرے سر پر تو ہر وقت بلائیں ناچا کرتی تھیں۔ کوئی بلا صاحب کو بھی لے گئی ہوگی۔!”

“کیا بکٹا....!” جوزف نے اُس کی گردن پکڑتے ہوئے کہا۔ “مسی اسے روکو....!”

“ابے چھوڑ میری گردن....!” سلیمان اپنی گردن چھڑاتا ہوا بولا۔

“فیاض صاحب نے جان بوجھ کر ہمیں یہ منحوس خبر پہنچائی ہے۔ میں انہیں خوب جانتا ہوں۔ جب سے ڈپٹی ڈائریکٹر ہوئے ہیں بہت اترانے لگے ہیں۔!”

“چوپ.... بیٹھ.... میں.... کچھ سوچٹا....!” جوزف نے کہا۔

“مناؤ.... مناؤ.... جشن مناؤ....!” عمران دروازے میں کھڑا اُن سب کو گھور رہا تھا۔

تینوں اُس کی آواز پر اچھل پڑے تھے۔ کیونکہ دروازے کی طرف کسی نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا کہ وہ کب سے وہاں کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا۔!

گلرخ دوڑ کر اُس کے پاس پہنچی تھی اور پھر اُس کے اردگرد گھوم کر اس طرح دیکھنے لگی تھی کہ سچ مچ وہ ہر طرف سے زندہ ہے کہ نہیں۔!

“خدا کا شکر ہے صاحب جی کہ آپ زندہ ہیں۔!” گلرخ دوپٹے سے اپنا چہرہ پونچھتی ہوئی بولی۔

“فیاض صاحب نے آپ کے بارے میں بڑی بُری خبر سنائی تھی۔!”

“سب سن رہا تھا تمہاری باتیں....!” عمران نے کہا۔

“کہاں سے....؟” سلیمان نے اچانک سوال کیا۔

“اپنے کمرے میں تھا۔!” عمران نے جواب دیا۔

“ارے صاحب جی بڑا ذلیل ہے یہ سلیمان....!” گلرخ نے سلیمان کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ “بُری خبر سن کر بندر بانٹ کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ صاحب کے ہم ہی تو وارث ہیں۔!”

“ہاں.... ہاں.... بندر بانٹ کر رہا تھا پھر تجھے کیا....؟” سلیمان جل کر بولا۔ “تجھے سمجھا نہیں رہا تھا کہ صاحب کسی حادثے کا شکار نہیں ہوسکتے۔!”

“باس.... یہ سلیمان ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اسے بھی اور مجھے بھی فیاض صاحب کی بات کا یقین نہیں آیا تھا....!” جوزف پہلی بار بولا تھا۔

“دو وارث اور بھی آئے ہوئے ہیں۔!” سلیمان نے کہا۔

“کیا مطلب....؟” عمران نے سوال کیا۔

“ظفرالملک اور جیمسن اپنے فلیٹ سے نکال دیئے گئے ہیں اور یہیں آگئے ہیں۔!” جوزف نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

“خدا مجھ پر رحم کرے۔!” عمران سر پکڑ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

“آپ کے وارث ہیں کہ بڑھتے ہی جارہے ہیں۔!” سلیمان بولا۔ “میری مانیئے تو وصیت نامہ تیار کر کے میرے پاس رکھوا دیجئے۔ آپ کے مزاج کا کچھ ٹھکانہ نہیں کسی روز کہیں سچ مچ ہی مرنے کا ارادہ نہ ہوجائے۔!”

“دیکھئے.... دیکھئے....!” گلرخ چیخ کر بولی۔ “کتنا سر چڑھا رکھا ہے آپ نے۔ کیسی منحوس باتیں کئے جا رہا ہے۔!”

“تو چپ رہ.... تیری وجہ سے میرا بہت نقصان ہو رہا ہے۔ سارا خرچ اب تیرے ہاتھ میں دیتے ہیں۔!” سلیمان بگڑ کر بولا۔

“تو تو جلے گا۔ بے ایمانی کرتا تھا نا....!” گلرخ ترکی بہ ترکی بولی۔

“اب اُن دونوں مہاجروں کا جلد بندوبست کر دیجئے گا۔!” سلیمان نے کہا۔

“تجھے کیا تکلیف ہے....؟” عمران نے سوال کیا۔

“تکلیف یہ ہے کہ سارا کام مجھے ہی کرنا پڑتا ہے۔ میں اتنے لوگوں کا کھانا نہیں پکا سکتا۔!”

“اسلئے مرا جارہا ہے۔!” عمران بولا۔ “ٹھیک ہے۔ آئندہ میں اور گلرخ مل کر پکالیا کریں گے۔!”

“ہمیشہ غلط ہی سمجھیں گے۔!” سلیمان ہاتھ نچا کر بولا۔ “میرا مقصد یہ ہے کہ جتنا خرچ آپ دیتے ہیں اس میں اتنے لوگوں کا گزارہ نہیں ہو سکتا۔!”

“ابے.... نالائق.... یہ مہمان ہیں۔!” عمران نے کہا۔ “مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔!”

“پہلے ہوتے ہوں گے۔ اب زحمت ہوتے ہیں۔!” سلیمان نے جواب دیا۔

“بھیک کے پیسے ختم ہوگئے ہیں کیا....؟” عمران نے سوال کیا۔

“ایک بھکاری کو دے دیئے۔!” سلیمان نے روٹھے ہوئے انداز میں کہا۔

“اچھا چل.. کافی بنا کرلا۔!” عمران نے سلیمان سے کہا۔ “اور دیکھ دو پیالیاں مہمانوں کیلئے بھی۔!”

ظفرالملک اور جیمسن کو عمران نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

دونوں شاید سوگئے تھے اور ان سب کی باتوں سے ہی آنکھ کھلی ہوگی۔ وہ سلیپنگ سوٹ میں ہی ڈرائنگ آگئے تھے۔

“شکر ہے رب قدوس کا....!” جیمسن نے “ر” کو حلق سے نکال کر کہا۔

“سبحان اللہ.... سبحان اللہ....!” عمران نے لہک کر کہا۔

“آپ کو ہمارے بارے میں تو معلوم ہو ہی گیا ہوگا۔!” ظفرالملک نے کہا۔

“ہاں.... بے فکری سے رہو۔!” عمران نے کہا۔ “شائد تم دونوں کی ضرورت پڑے۔!”

سلیمان کافی بنا کر لے آیا تھا۔

عمران نے کافی کا گھونٹ بھر کر گلرخ سے کہا۔ “دیکھ گلرخ اب تو سودا سلف لینے بازار نہ جایا کر۔!”

“کیوں صاحب جی....؟”

“ایک تو ہی تو مجھے رونے والی ہے۔ میں تجھے کھونا نہیں چاہتا۔!”

“صاحب جی! فکر نہ کیجئے۔ میں علی بابا والی مرجینا سے زیادہ چالاک ہوں۔ کسی کی باتوں میں آنے والی نہیں۔!” گلرخ ہاتھ نچا کر بولی۔

“جو کہہ رہا ہوں وہی کر....!” عمران نے کہا۔ “کل سے بازار کا کام سلیمان کرے گا۔!”

“سودے میں پیسوں کی کانٹ چھانٹ کرے گا۔ عادت بُری بلا ہے۔!”

“فکر نہ کر.... مرے گا تو سانپ بچھو چپٹیں گے۔!”

“یہ بھی بڑی زبان دراز اور نافرمان بیوی ہے۔ دیکھئے گا اس کا حشر مجھ سے بُرا ہوگا۔!”

“باس.... اب ان دونوں کو یہاں سے چلتا کردو....!” جوزف نے اکتا کر اپنی ٹانگ اڑادی۔

◆

صبح ابر آلود تھی۔ بادل کہیں کہیں سے ہلکے تھے اور کہیں سے گھرے کسی وقت بھی بارش شروع ہونے کا امکان تھا۔

عمران نے ایکس ٹو والے فون پر جولیا کے نمبر ملائے تھے۔

دوسری طرف سے جولیا کی آواز آئی تھی۔! “ہیلو....!”

“ایکس ٹو....!” عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

“لیس سر....!”

“صفدر سے کہو کہ جی پی او ریڈ کرے۔ جسے بھی مشتبہ سمجھے اس کا تعاقب کرے۔!”

“بہتر سر....!”

“نعمانی سے کہو کہ وہ کنگ کمپنی پر نظر رکھے اور صدیقی نیشنل انجینئرنگ ورکس دیکھے۔ دونوں کمپنیوں کی طرف سے اظہار وجوہ کے نوٹس اخبار میں شائع ہوئے ہیں۔ دو دن کی مہلت دی گئی ہے کہ ساگر اور ضرغام حاضر ہوجائیں ورنہ ملازمت سے برطرف کردیئے جائیں گے۔ وہ دونوں ہی اپنی اپنی ڈیوٹی پر حاضر نہ ہوسکیں گے۔ نعمانی اور صدیقی دیکھیں کہ دو دن کے بعد اُن کی جگہ پُر کرنے کے لئے کوئی آتا ہے یا نہیں اور جو بھی ملازم رکھا جائے یہ معلوم کیا جائے کہ وہ کسی کی سفارش پر تو نہیں آیا اور اگر آیا ہے تو کس کی....؟”

“بہت بہتر سر....!” جولیا نے کہا۔

“اوور اینڈ آل....!” عمران نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کردیا۔

◆

صفدر ٹھیک آٹھ بجے جی پی او کی وسیع عمارت کے سامنے واقع ایک کیفے میں داخل ہوا تھا اس نے اپنا اسکوٹر کیفے کے سامنے ہی کھڑا کردیا تھا۔

اس نے ایسی میز منتخب کی تھی جہاں سے جی پی او کے صدر دروازے پر بخوبی نظر رکھی جاسکے

اور وہ ہر آنے جانے والے کو دیکھ سکے۔

صفدر نے گھڑی دیکھی۔ گیارہ بج چکے تھے۔ مگر ابھی تک جنرل پوسٹ آفس میں آنے جانے والوں میں کوئی ایسا شخص دکھائی نہیں دیا تھا جس پر اُس کی جہاندیدہ نظریں شبہ کر سکیں۔ اب تک چائے کی تین پیالیاں پی چکا تھا۔

قریباً بارہ بجے ایک سیاہ مرسڈیز جو نئی تھی نہ زیادہ پرانی پوسٹ آفس کے سامنے آکر رکی اور اُس میں سے ایک لڑکی برآمد ہوئی۔ لڑکی بہت زیادہ خوبصورت تھی اور جدید ترین علی بابا سوٹ پہنے حد سے زیادہ ہی اسمارٹ لگ رہی تھی۔ سوٹ کا کپڑا بھی ان دونوں حدود کی مناسبت سے حد سے زیادہ باریک تھا۔ لڑکی کی رنگت سرخی مائل اور بال بھورے تھے۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا اور ہاتھ میں سیاہ رنگ کا پرس تھا۔ وہ اپنی ہائی ہیل والی جوتی پر لہراتی ہوئی جی۔ پی او کے صدر دروازے سے گذر کر اندر داخل ہو گئی۔

صفدر کو ہر خوبصورت لڑکی مشتبہ ہی لگتی تھی۔ اس نے جلدی سے چائے کا بل ادا کیا اور تیز تیز چلتا ہوا لڑکی کے پیچھے ہی جی۔ پی او کے صدر دروازے میں داخل ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ لڑکی اندر جا کر گم ہو جاتی وہ ہال میں پہنچ گیا تھا اور لڑکی کو اسی ناز و انداز سے چلتی ہوئی جنرل پوسٹ ماسٹر کے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

لڑکی ٹھیک. آدھ گھنٹہ بعد جنرل پوسٹ ماسٹر کے دفتر سے برآمد ہوئی اور اسی انداز سے چلتی ہوئی صدر دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔

صفدر نے فوری طور پر اُس لڑکی کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ بھی جلد ہی باہر آگیا۔ لڑکی اپنی گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ صفدر تیزی سے اپنے اسکوٹر کی طرف بڑھا تھا وہ کک پر کک لگا رہا تھا مگر اسکوٹر اسٹارٹ نہ ہوا۔ لڑکی ہاتھ سے نکلی جا رہی تھی۔ اُس نے اپنا اسکوٹر برابر ہی ایک پان سگریٹ کی دوکان والے کی تحویل میں دیا اور سڑک پر کھڑے ہو کر ٹیکسی تلاش کرنے لگا۔

لڑکی ابھی زیادہ دور نہیں گئی تھی کہ ایک ٹیکسی آگئی اس نے جلدی سے دروازہ کھولا اور بیٹھتا ہوا ڈرائیور سے بولا۔ ”اس سیاہ مرسڈیز کا پیچھا کرو.... جلدی۔!“

ٹیکسی ڈرائیور نے ایک سرسری نظر صفدر پر ڈالی تھی اور ٹیکسی کو سیاہ مرسڈیز کے تعاقب میں

ال دیا تھا۔

صفدر نے نشست کی پشت گاہ سے ٹیک لگادی تھی۔ اس گھبراہٹ میں کہ کہیں وہ لڑکی ہاتھ ے نہ نکل جائے۔ صفدر اس بات سے بے خبر رہا تھا کہ ٹیکسی کے حرکت میں آتے ہی ایک اور ڑی نے ٹیکسی کا پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا۔

تینوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی ہوئی شہر کے اس حصے میں داخل ہو چکی تھیں جہاں ٹریفک بہت یادہ تھا۔

بار بار سگنلوں پر رکنے کی وجہ سے صفدر کو اندیشہ تھا کہ کہیں لڑکی کی کار نگاہ سے اوجھل نہ دجائے۔ اُس نے ایک بار بھی پیچھے نظر نہیں ڈالی تھی۔

لڑکی کی گاڑی شہری حدود کو طے کرتی ہوئی مضافات کی طرف بڑھ رہی تھی۔

صفدر نے بھی ٹیکسی ڈرائیور کو رفتار تیز کرنے کی ہدایت کی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے مناسب فاصلہ کھتے ہوئے ٹیکسی کی رفتار بڑھادی۔ وہ اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی ہوشیار ثابت ہوا تھا۔

البتہ ٹیکسی کے تعاقب میں آنے والی گاڑی نے فاصلہ زیادہ رکھا تھا۔

لڑکی مضافات کو چھوڑتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ مضافات کی آبادی ختم ہو گئی۔ مرسیڈیز کی رفتار اور بھی تیز ہو گئی۔ غیر آباد علاقہ تھا۔ اس لئے اب خال خال ہی کوئی عمارت ظر آتی تھی۔ پھر لڑکی اپنی گاڑی کو ایک ایسے میدانی علاقے میں لے گئی جہاں کچھ عمارتیں نظر رہی تھیں۔

ٹیکسی ڈرائیور نے اچانک ٹیکسی کی رفتار کم کر دی۔

صفدر نے اُسے رفتار تیز کرنے کو کہا کیونکہ لڑکی کی گاڑی بہت تیزی سے دور ہوتی چلی جا رہی ھی۔ لیکن ٹیکسی ڈرائیور نے سنی ان سنی کر دی۔ پھر صفدر یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ ٹیکسی ایک عمارت ا کمپاؤنڈ میں داخل ہو کر پورچ میں جا رکی تھی۔

”یہاں کیوں روکی ہے ٹیکسی....؟“ صفدر نے جھلا کر پوچھا۔

”اس لئے کہ آپ کی منزل مقصود یہی ہے۔!“ ڈرائیور نے پلٹ کر جواب دیا اور معنی خیز انداز یں مسکرانے لگا۔

اتنے میں وہ گاڑی بھی پیچھے آرکی جو جی۔ پی۔ او ہی سے تعاقب میں رہی تھی۔ صفدر اُس کی

طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ پھر وہ ڈرائیور کی طرف مڑا ہی تھا کہ اُس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر طویل سانس لی چوٹ ہو گئی تھی۔

آنے والی گاڑی سے دو آدمی اُتر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور نظر آ رہے تھے۔ صفدر سختی سے ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا۔

"اُترو.....!" ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

"مم..... میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔ تم تلاشی لے سکتے ہو۔!" صفدر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نیچے اُتر کر بات کرنا.....!" ڈرائیور نے اپنے پستول کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھا.....!" صفدر نے سعادت مندی سے جواب دیا۔ مگر ٹیکسی سے نہیں اُترا۔ اُس کا ذہن بڑی تیزی سے بچاؤ کی کوئی تدبیر سوچ رہا تھا۔ اُس نے عمارت پر ایک نظر ڈال کر یہ اندازہ لگالیا تھا کہ اگر وہ چار دیواری پھلانگ سکا تو پھر ان نالائقوں سے چھٹکارا پا سکے گا۔

"میں نے کہا تھا نیچے اُترو.....!" ڈرائیور نے سرد لہجے میں کہا۔

"پپ..... پہلے تم اُترو..... مجھے پستول سے ڈر لگ رہا ہے۔!" صفدر نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

ٹیکسی ڈرائیور فوراً ہی دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔ صفدر اسی بات کا منتظر تھا اس نے پچھلا دروازہ اتنی زور سے کھولا کہ ٹیکسی ڈرائیور اس کی زد میں آ گیا۔ "اُف" کر کے اُس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن صفدر کے لئے یہی ایک لمحہ کافی تھا۔ وہ تیزی سے باہر آیا اور دوڑ کر لان پھلانگتا ہوا چار دیواری کی طرف بڑھ گیا۔ اتنا اندازہ تو اُسے ہو ہی گیا تھا کہ وہ اس چہار دیواری کو کسی بھی جگہ سے پھلانگ سکے گا۔ اس کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ باہر والی تبدیلی کا علم اندر جانے والوں کو نہ ہو جائے۔ ورنہ جان بچانا مشکل ہو جائے گی۔

ڈرائیور کو شائد چوٹ زیادہ ہی لگی تھی۔ ورنہ اب تک وہ فائر کر چکا ہوتا۔

صفدر جان کی پرواہ کئے بغیر دونوں ہاتھ اٹھا کر اچھلا اور دیوار کا سرا تھامے ہوئے اٹھتا چلا گیا۔ ایک لمحہ بھی مزید دیر ہو جاتی تو وہ اس گولی کا نشانہ بن چکا ہوتا جو ڈرائیور کے پستول سے نکل کر اُس کی طرف آئی تھی۔

دوسری طرف اُترتے وقت اُس نے خاصی احتیاط سے کام لیا تھا۔ زمین مسطح اور سخت تھی آس پاس کسی عمارت کے آثار نہ دکھائی دیئے۔ یہ قریب قریب ویرانہ ہی تھا۔

پھر سمت کا تعین کئے بغیر ہی اُس نے ایک طرف دوڑ لگا دی۔

اُسے خدشہ تھا جلد ہی اس واقعے کا علم عمارت کے اندر جانے والوں کو بھی ہو جائے گا اور اگر وہ تینوں ہی چہار دیواری پھلانگ کر اُس کی طرف دوڑ پڑے تو ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے ان کی دسترس سے جلد از جلد جتنا بھی ممکن ہو دور نکل جائے تو بہتر ہے۔ اس نے رفتار تیز کر دی تھی۔ انتہائی کوشش کر رہا تھا کہ بے آواز دوڑتا رہے۔ بدحواسی کے عالم میں اُسے یہ اندازہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ اس وقت وہ کس جگہ پر ہے۔

دوڑتے دوڑتے مڑ مڑ کر بھی دیکھ لیتا تھا کہ وہ تینوں اُس کے تعاقب میں تو نہیں آ رہے ہیں۔ اور اب وہ بہت آگے نکل آیا تھا۔ اب اتنی تیزی سے دوڑ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ لمبی لمبی گھاس کے درمیان پہنچ گیا تھا۔

روڈ کے اختتام پر اس نے محسوس کیا کہ دم لینا ضروری ہے۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ جی چھوڑ کر دوڑا تھا۔

وہ رک گیا اور کھڑا آگے پیچھے جھولتا ہوا ہانپتا رہا۔ اب اُس کے سامنے سوال یہ تھا کہ جائے کہاں؟ یہ تو کوئی ویرانہ تھا اور وہ گہرے بادلوں سے ڈھکے ہوئے آسمان کے نیچے حیران و پریشان کھڑا تھا۔

دس منٹ گذر گئے۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

جلد ہی اونچی گھاس کے الجھیڑوں سے نجات مل گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ایسے میں بارش شروع ہو گئی تو کیا ہو گا۔ کچھ دور چل کر ڈھلان شروع ہو گئی تھی اور وہ بہت احتیاط سے قدم اٹھانے لگا تھا۔

ابھی ڈھلان کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا کہ بڑی بڑی بوندیں آ گئیں اور اس نے غیر ارادی طور پر پھر دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ اس بار وہ تھکن کی وجہ سے منہ کے بل قد آدم جھاڑیوں میں گرا تھا اور بوکھلا کر اٹھا تو ایسا لگا جیسے ان جھاڑیوں کی دوسری طرف کوئی عمارت موجود ہو.... اور وہ واقعی ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ وہی نہیں.... وہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اور بھی کئی عمارتیں تھیں۔ وہ جھپٹ کر قریبی عمارت کے برآمدے میں جا پہنچا۔

بارش جس زور و شور سے ہوئی تھی اُسی طرح اچانک تھم بھی گئی اور وہ دیوار سے ٹکا یہ سوچتا رہا کہ اب کیا کرے۔ نہ ہی اندازہ تھا کہ وہ شہر سے اس وقت کتنی دور ہے اور نہ ہی اس کا کوئی امکان نظر

آرہا تھا کہ وہ کسی طرح شہر تک پہنچ سکے گا۔ تھکن سے بے حال تھا اور پیدل چلنے کی سکت سے محروم۔

اچانک اُس نے سوچا کہ کیوں نہ اس عمارت کے مکینوں سے مدد طلب کی جائے۔ ٹیکسی ڈرائیور کی فریب دہی کی کہانی سنانا مناسب رہے گا۔

وہ کال بیل کا بٹن دبانے ہی والا تھا کہ اُس کی نظر دروازے پر پڑے ہوئے قفل پر گئی اوہ تو عمارت مقفل ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ عمارت خالی ہے۔

ایک نئے خیال نے اس کے ذہن میں جنم لیا۔ ہو سکتا ہے عمارت خالی نہ ہو اسکے مکین کہیں گئے ہوں اور یہاں ٹیلی فون بھی موجود ہو۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے پرس نکالا اور اس کے ایک خانے میں انگلی ڈال کر کچھ تلاش کرتا رہا۔ پھر وہ باریک سا اوزار قفل کے سوراخ میں رینگ گیا تھا جو اس کے پرس سے برآمد ہوا تھا۔

قفل کھلنے میں دیر نہ لگی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور پھر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ اُس نے احتیاط کے ساتھ پورے مکان کا جائزہ لیا۔ تین کمروں کے اس چھوٹے سے مکان میں بالآخر اُسے اپنی مطلوبہ چیز مل ہی گئی۔

ٹیلی فون اور ڈائرکٹری دونوں ہی موجود تھے۔ اُس کے چہرے پر تازگی آگئی تھی۔ اس نے جھک کر دیکھا ساکٹ میں نمبر کارڈ موجود نہیں تھا۔

اس نے جلد جلد جولیا کا نمبر ڈائیل کیا۔ جولیا موجود نہیں تھی۔ پھر اس نے عمران کو کال کرنا مناسب سمجھا۔

"ہلو.... عمران بول رہا ہوں۔!"

"میں صفدر ہوں.... جناب....!" دوسری طرف سے صفدر کی بھرائی ہوئی آواز آئی۔

"کیوں ہو....؟" عمران نے کہا۔

"میں دشواری میں پڑ گیا ہوں۔!"

"اس وقت....؟" عمران نے کہا۔

"سنئے اور سنجیدگی کے ساتھ....؟" صفدر نے جھنجھلا کر کہا۔ "ایک ٹیکسی ڈرائیور اور دو آدمی مجھے پکڑنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے میں نکل بھاگا۔ وہ عمارت کسی ویرانے میں ہے۔ اب

بھاگتے بھاگتے ایک اور ویرانے میں نکل آیا ہوں اور اس وقت ایک خالی عمارت میں ہوں جس کا قفل کھول کر اندر آگیا ہوں۔ یہاں فون موجود ہے مگر نمبر کارڈ اُس پر موجود نہیں۔!"

"تم نے بھاگ کر غلطی کی ہے۔ جاننا چاہئے تھا کہ تمہیں پکڑ کر ویرانے میں لے جانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ بہر طور اُس عمارت کا محل وقوع بتاؤ....!" عمران نے کہا۔

"کچھ اندازہ نہیں ہو رہا کہ اس وقت کہاں ہوں اور نہ ہی اپنے میں اتنی سکت پاتا ہوں کہ پیدل چل پڑوں۔ کسی سواری کے ملنے کا بھی امکان نہیں ہے۔!"

"تو پھر اسی طرح بے سروپا بولتے رہو۔ میں ابھی دریافت کرتا ہوں کہ وہ فون نمبر کس کا ہے۔!" عمران نے اس کو ہدایت کی۔

"میں سمجھ گیا جناب....!" صفدر کی آواز آئی۔

اور پھر اُس نے بے سروپا باتیں شروع کر دی تھیں۔

◆

گرج بھی رہے تھے اور برس بھی رہے تھے۔

رحمان صاحب کا غصہ اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ بات بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ ابھی ابھی کیپٹن فیاض نے انہیں اطلاع دی تھی کہ فائیل پی سکس سیونٹی نائین غائب ہو گئی ہے۔

"تم خود ہی فیصلہ کرو کہ ڈپٹی ڈائریکٹری کے اہل ہو؟" رحمان صاحب نے غصے سے سوال کیا۔

"جی.... جی.... وہ....!" کیپٹن فیاض کی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی۔

"کیا.... جی.... جی.... مجھے بہر صورت وہ فائیل چاہئے۔!" رحمان صاحب بگڑ کر بولے۔

"جی.... وہ.... عمران....!" فیاض نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"تمہیں عمران فوبیا ہو گیا ہے۔ کبھی اُسے بم سے اڑاتے ہو کبھی دریابُرد کرتے ہو۔ ہر بات میں عمران... عمران... کی رٹ لگاتے رہتے ہو۔!" رحمان صاحب غصے سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے بولے۔

فیاض اس وقت دل ہی دل میں عمران کو پچھتر گالیاں فی سیکنڈ کے حساب دے رہا تھا۔ وہ رحمان صاحب کو یہ بات بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ عمران نے بھی اس سے وہ فائیل مانگا تھا.... اور اب جو یہ فائیل غائب ہوا ہے تو اُسے عمران نے ہی غائب کرایا ہوگا۔ یقینی طور پر بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ عمران نے ہی غائب کرایا ہے یا کسی اور کے ہاتھ کی صفائی ہے۔ ہر دو صورت میں اُس

کی نااہلی ہی ثابت ہوتی ہے۔

رحمان صاحب پندرہ منٹ سے اُسے جھاڑ رہے تھے اور اُسے اپنے وہ خواب خطرے میں پڑتے نظر آرہے تھے جو وہ رحمان صاحب کے ریٹائر منٹ کے بعد خود ڈائریکٹر جنرل بننے کے سلسلے میں دیکھ رہا تھا۔

"جاسکتے ہو....!" رحمان صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اُسے جانے کا حکم دے دیا۔

فیاض بڑی بے چارگی کے ساتھ اٹھا اور کوٹھی سے باہر آگیا دل تو اس کا یہی چاہ رہا تھا کہ کہیں سے عمران مل جائے تو اُسے اسی وقت شوٹ کردے بیسیوں بار ایسا ہو چکا تھا کہ عمران ہی کی وجہ سے اُسے اُس کے باپ سے جھاڑ سننا پڑی تھی۔

عمران سے ملاقات ضروری تھی۔ اُسے ہرگز اس بات پر یقین نہیں تھا کہ عمران جنک یارڈ والی عمارت میں دھماکے کے وقت موجود رہا ہوگا۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو کتے کی آواز والا اس کو فون کرکے ہرگز بور نہ کرتا۔ اتنی عقل فیاض بھی رکھتا تھا اور یہ بات فیاض اور رحمان صاحب کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہ تھی کہ عمران جنک یارڈ والی عمارت میں گیا تھا۔ اس کی خبر بھی کتے والے نے ہی دی تھی۔ ورنہ فیاض بھی لاعلم ہی رہتا۔

فیاض نے فوری طور پر عمران کے فلیٹ پر ایک آدمی تعینات کرنے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ فلیٹ کی نگرانی ہوسکے۔ اُسے یقین تھا کہ عمران اپنے فلیٹ پر نہ ہوگا۔

اس کے لئے سب سے بڑی پریشانی کی بات یہ تھی کہ رحمان صاحب نے فائیل کہیں سے بھی مہیا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس سلسلے میں عمران کو شیشے میں اتارنا ضروری تھا۔ دھونس دھڑلے سے کام نہیں چل سکتا تھا۔

فیاض نے اپنے گھر پہنچ کر عمران کے فلیٹ کے فون پر رنگ کیا۔

ریسیور گلرخ نے اٹھایا تھا۔ "ہلو....!"

"میں ڈپٹی ڈائریکٹر فیاض بول رہا ہوں۔!" دوسری طرف سے فیاض نے گلرخ کی آواز سن کر مٹھاس بھرے لہجے میں کہا۔

"اوہ.... کپتان صاحب....!" گلرخ نے چہک کر کہا۔ "کیا بات ہے....؟"

"عمران آیا یا نہیں....؟"

"کیا مطلب... آپ نے ہی تو اُن کے لئے بُری خبر سنائی تھی۔!" گلرخ گلوگیر آواز میں بولی۔

"وہ خبر غلط ثابت ہوئی۔ عمارت کے ملبے میں کسی انسانی ملبے کی ملاوٹ ثابت نہیں ہوسکی۔!" یاض نے دوسری طرف سے کہا۔

"آپ کے منہ میں گھی شکر...... ہمارا تو روتے روتے بُرا حال ہوگیا۔ اس خوش خبری پر آپ وایک کپ کافی ضرور پلاؤں گی۔ جب بھی آپ آئیں گے۔!"

"وہ واپس آیا.... یا نہیں....؟"

"نہیں....!" گلرخ نے عمران کی ہدایت کے مطابق انکار کرتے ہوئے کہا۔

"جب بھی واپس آئے اس سے کہنا کہ فوراً مجھ سے ملے۔!"

"بہت اچھا....!"

سلسلہ منقطع کرکے وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہوگئی۔

◆

لڑکی فراٹے سے کار اڑائے لئے چلی جارہی تھی۔ راستہ کچا اور ناہموار تھا۔ رفتار تیز ہونے کی وجہ سے کار ہچکولے کھا رہی تھی۔

لڑکی شائد بہت جلدی میں تھی۔ اس کی نظر سامنے راستے پر جمی ہوئی تھیں۔ اپنی دھن میں وہ یہ بھی نہ دیکھ سکی کہ پیچھے کی جانب ڈکی کا ڈھکن آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہا ہے۔

ڈکی کا ڈھکن اتنا کھل چکا تھا کہ ایک آدمی نے اس کے اندر سے دائیں جانب والے نشیب میں چھلانگ لگادی تھی۔ گاڑی بدستور فراٹے بھرتی نکلی چلی گئی۔

چھلانگ لگانے والے کے ہاتھ میں ایک بریف کیس بھی تھا۔ وہ بڑی تیزی سے لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا۔ پھر کمر کسی ٹھوس چیز سے ٹکرائی اور آنکھوں میں چاند، سورج، تارے سبھی کچھ بیک وقت ناچ کر رہ گئے۔ کوئی بڑا سا پتھر راہ میں رکاوٹ بن گیا تھا۔ ورنہ یہ چھلانگ اُسے کسی گہری کھڈ میں بھی لے جاسکتی تھی۔ کمر میں ایسی ہی چوٹ آئی تھی کہ کئی منٹ تک اس کے جسم میں ہلکی سی جنبش بھی نہ ہوسکی۔

آنکھیں بند کئے دم بخود پڑا رہا.... اور کرتا بھی کیا....؟ فی الحال چوٹ کی وجہ سے سب کچھ غائب ہوگیا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کمر کی چوٹ نے سارے جسم کو سن کردیا ہو۔

ریڑھ کی ہڈی تو نہیں ٹوٹ گئی؟ اس خیال پر ذہن میں جھماکا سا ہوا لیکن پھر فوراً ہی خیال کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹتی ہے تو انسان سوچنے کے قابل ہی کب رہ جاتا ہے۔

کچھ وقت اور گذر گیا۔ اُس کا ذہن آہستہ آہستہ صاف ہوتا جارہا تھا۔ پھر اس نے اٹھنے کوشش کی اور بخیر و عافیت اٹھ بھی بیٹھا۔ البتہ کمر کی تکلیف بدستور قائم تھی۔ یہ ساری تکلیف ا بریف کیس کے حصول کے لئے اُس نے اٹھائی تھی۔

وہ ایک ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں سے سر پر پھیلے ہوئے نیلے آسمان کے علاوہ کچھ اور دکھائی نہی دے رہا تھا۔

جہاں سے لڑھکتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا وہاں قدم جما کر کھڑا ہو گیا اور جھک کر دیکھا تو ڈھلا کو قابل عبور پایا۔

کچھ دور چلنے کے بعد دو تین فٹ گہرے ایک نالے میں اُتر گیا۔

نالا بتدریج ڈھلوان ہوتا چلا گیا۔ وہ خاموشی سے چلتا رہا۔ بریف کیس اُس کے بائیں ہاتھ می دبا ہوا تھا۔

آدھے گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد وہ ایک مسطح جگہ پر رک گیا۔ جیب سے ٹرانس میٹر نکا اور ایک طائرانہ نظر اپنے اطراف پر ڈال کر بولا۔ "ہلو.... بلیک زیرو....!"

"یس.... ہیئر از بلیک زیرو....!" بلیک زیرو نے فوراً جواب دیا۔

"محل وقوع سمجھو....!"

پھر اُس نے بلیک زیرو کو اُس جگہ کا محل وقوع سمجھایا جس جگہ وہ اس وقت موجود تھا۔

"میں میک اپ میں ہوں.... جیپ لے کر آجاؤ۔!"

"بہت اچھا.... ایک اور بات....!" بلیک زیرو نے دوسری طرف سے کہا۔

"آپ کے رہائشی فلیٹ کی نگرانی دو پارٹیاں کر رہی ہیں ایک آدمی کیپٹن فیاض کا ہے اور دو آدمی کسی اور سے تعلق رکھتے ہیں۔!"

"میں نے سب کو منع کر دیا ہے کہ میری واپسی کا تذکرہ کسی سے نہ کیا جائے۔!"

"میں پہنچ رہا ہوں۔!"

"اوور اینڈ آل....!"

عمران نے ایک طویل سانس لے کر ٹرانس میٹر جیب میں رکھا اور نہ جانے کیا سوچتا ہوا دور خلا میں گھورنے لگا۔

◆

عمران سائیکو مینشن کے ایک کمرے میں بیٹھا بڑے انہماک سے ان کاغذات کا جائزہ لے رہا تھا جو بریف کیس سے برآمد ہوئے تھے۔

یہ وہی فائیل تھا جس کا مطالبہ اُس نے خود فیاض سے کیا تھا۔

مجرم حرکت میں آگئے تھے۔ اُس سے پہلے ہی انہوں نے فائیل پر ہاتھ صاف کر دیا تھا۔ مگر پھر وہ عمران کے ہاتھ لگ گئے۔ فیاض کے محکمے میں کوئی نہ کوئی اس لڑکی کا منظور نظر رہا ہوگا جس کے ذریعہ اُس لڑکی نے فائیل حاصل کیا تھا۔ بہرحال یہ عمران کا مسئلہ نہیں تھا۔

عمران نے کاغذات ایک طرف رکھ کر طویل سانس لی اور سر اٹھا کر بولا۔ "سب کچھ چوپٹ ہو گیا۔!"

بلیک زیرو میز کی دوسری طرف خاموش بیٹھا تھا۔

"کیا جناب....؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے کاغذات کی نوعیت کا علم نہیں تھا۔!"

"آخر یہ کیسے کاغذات ہیں....؟"

"ان کاغذات میں ایک ایسے اسمگلر کی نشان دہی کی گئی ہے جو بہ یک وقت اسمگلر بھی ہے اور بلیک میلر بھی۔ مگر اس کا اصل کام دونوں سپر پاورز کو ڈبل کراس کرنا تھا۔ جس بھی ترقی پذیر ملک میں جس پاور کے مفاد ہوتے وہ اُن کی حفاظت کرتا تھا۔ خود ایک بین الاقوامی مجرموں کے ٹولے کا سربراہ تھا اور ترقی پذیر ملکوں یا طفیلی ملکوں میں مسلح بغاوتیں کرانے کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ پھر وہ مسلح بغاوت کے لئے اسلحہ بھی خود ہی اسمگل کرتا تھا۔ تم جانتے ہو کہ اسلحے کے بغیر کوئی ایسی بغاوت ممکن نہیں ہوتی۔ ان کاغذات میں کچھ ایسے لوگوں کے نام بھی ہیں جو ملک سے فرار ہو گئے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اندرونی طور پر کس ملک کے لئے کام ہو رہا ہے۔"

"اس قسم کا تو ایک ہی بلیک میلر ہے۔!" بلیک زیرو بولا۔

"شائد تم سنگ ہی کا نام لو گے۔!" عمران نے کہا۔

"ہاں....!"

"نہیں... یہ فائل اس حصے متعلق نہیں ہے۔ !" عمران نے کہا اور پھر ایک دم چونک کر بولا۔ "حد ہو گئی حماقت کی۔ !"

"یعنی....؟" بلیک زیرو نے کہا۔

"کچھ نہیں۔ . اب تو سارے ڈرامے کا سیٹ اپ ہی بدلنا پڑیگا۔ !" عمران پر تشویش لہجے میں بولا۔

"نواب شاکر علی شاطر کے بارے میں کیا خیال ہے....؟"

"کچھ نہیں....!" عمران بولا۔ "مشتعل دماغ کے لوگ سازشیں نہیں کر سکتے اور نہ ہی کسی سازش کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ سازش کے لئے دماغ کا ٹھنڈا ہونا ضروری ہے اور شاطر بے چارا اس صفت سے محروم ہے۔ میں نے اُسے لسٹ سے نکال دیا ہے۔ سارے ڈرامے کا سیٹ نئی بننے والی بندرگاہ پورٹ خلیل کے اردگرد لگایا جائے گا۔ !" عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"انسپکٹر باسط رشید کا قتل کس خانے میں ڈالیں گے....؟" بلیک زیرو نے سوال کیا۔

"کسی خانے میں بھی نہیں۔ !" عمران نے جواب دیا۔ "البتہ اُس کی زبان سے نکلنے والے لفظ "ماؤس" کو کھاتے میں لکھ لیا ہے۔ طاہر صاحب اب بہت جلدی کرنی پڑے گی۔ اگر ذرا سی بھی چوک ہو گئی تو ملک کو ناقابل تلافی نقصان ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی سیدھا سادا اسمگلنگ کا معاملہ نہیں ہے۔ !"

"اُوہ....!" بلیک زیرو بولا۔ "اب پروگرام کیا ہے....؟"

"جلد ہی بتاؤں گا....!" عمران بولا۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ بلیک زیرو نے ریسیور اٹھایا دوسری طرف سے جوزف کی آواز سن کر بلیک زیرو نے ریسیور عمران کی طرف بڑھا دیا اور خود کمرے سے نکل گیا۔

عمران ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ہلو....!"

"باس....!"

"کیا بات ہے....؟"

"ادھر گھپلا ہو گیا ہے۔ !"

"کیا دونوں میں جوتم پیزار شروع ہو گئی....؟"

"نہیں... وہ دونوں ہاتھ پیر باندھ رہے ہیں۔ !" جوزف گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ابے... شب دیجور کے بچے.... پھر چرس پی لی ہے کیا؟ معموں میں بات کر رہا ہے۔ !"

عمران نے دانت پیس کر کہا۔

"باس پہلے پوری بات سن لو....!" جوزف دوسری طرف گڑگڑایا۔

"سنا....!"

"فلیٹ میں دو ریوالور بردار آدمی گھس آئے ہیں اور تمہارا پتہ پوچھ رہے تھے۔ !"

"پھر....؟"

"اُن دونوں کو مار مار کر بے ہوش کر دیا ہے۔ !"

"ریوالور کو تو ہاتھ نہیں لگایا....؟"

"نہیں باس... رومال میں لپیٹ کر رکھ دیا ہے۔ نشانات ضائع نہیں ہوں گے۔ !"

"شاباش.... اچھا ایسا کر.... کیپٹن فیاض کو فون کر کے اس واردات کے متعلق بتا دے۔ اگر اُسی کے آدمی ہوں گے تو سر پکڑ کر خود رو لے گا اور اگر اس کے آدمی نہ ہوئے تو خود نپٹ لے گا۔ میں فی الحال ان سب کو نظرانداز کر دینا چاہتا ہوں۔ بے کار مہرے ہیں۔ وقت برباد ہو گا۔ !"

"اگر کپتان صاحب نہ ملیں تو....؟"

"محلے کے تھانے میں فون کر دینا۔ جو آفیسر ڈیوٹی پر ہو اُسے پورا واقعہ بتا دینا۔ وہ خود لے جائے گا آ کر...... الزام لوٹ مار کا لگا دینا۔ !"

"او.... کے.... باس.... میں بھی نہیں چاہتا کہ یہ زیادہ دیر تک یہاں پڑے رہیں۔ کہیں اُن کے اور ساتھی نہ ہوں اور الٹا ہم پر الزام لگا کر پولیس لے آئیں۔ !"

"دیکھ لے.... چرس چھوڑ کر کتنی عقلمندی کی باتیں کرنے لگا ہے۔ جلد ہی تجھے ایسے علاقے میں پہنچا دوں گا جہاں نسوار پر لگ جائے گا۔ !" عمران چہکتا ہوا بولا۔

"تھینک یو.... باس....!" جوزف خوش ہو کر بولا۔

"اور ہاں.... دیکھ ظفرالملک اور جیمسن سے کہہ دے کہ وہ تیار رہیں۔ آدھی رات کے بعد تم تینوں کو فلیٹ چھوڑ دینا ہے۔ !"

◆

ادھر عمران نے اپنی مہم کے لئے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ چھ آدمیوں کی گنجائش کا ایک چھوٹا سا خیمہ بند وین پر بار کر دیا گیا تھا۔ خورد و نوش کے سامان کے ساتھ ساتھ لومڑیوں کے شکار

کا سامان بھی رکھ لیا گیا تھا۔ گیس ماسک اور آکسیجن کی تھیلیاں بھی موجود تھیں۔

عمران کی جیپ خاص قسم کی تھی جو ضرورت کے وقت اسلحہ خانہ کا بھی کام دے سکتی تھی۔

ٹرک نما وین کے دونوں طرف "ادارۂ تحقیقات طبقات الارض" کا بینر چسپاں تھا۔

اس مہم میں عمران نے ظفر الملک، جیمسن اور جوزف کو ہی ساتھ لے لیا تھا۔ ٹیم کے باقی لوگ جہاں جہاں متعین تھے ان کو بدستور وہیں رہنے دیا تھا اور بلیک زیرو کو عمران نے پہلے ہی روانہ ہو جانے کی ہدایت کر دی تھی۔

جیمسن جیپ ڈرائیو کر رہا تھا اور عمران اُس کے برابر میں بیٹھا تھا۔ بند وین جوزف چلا رہا تھا اور ظفر اس کے برابر والی سیٹ پر براجمان تھا۔

اس طرح یہ قافلہ سپر ہائی وے سے گذرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

"کب تک اسی طرح چلتے رہیں گے یور میجسٹی....؟" جیمسن نے عمران سے پوچھا۔

"معلوم نہیں....!" عمران نے معصومیت سے کہا۔

"جب آپ کو بھی معلوم نہیں تو کیوں نہ یہیں پڑاؤ ڈال دیا جائے۔!" جیمسن نے مشورہ دیا۔

"اچھا تو پھر رک جاؤ۔!" عمران احمقانہ انداز میں بولا۔

"یور ہائی نس.... شائد آپ پر سفر کا اثر کچھ زیادہ بہتر نہیں ہو رہا۔!" جیمسن بولا۔

"برائے مہربانی قافیہ بندی کی کوشش نہ فرمائیے گا۔!" عمران نے کہا۔

"آپ کے اندازے کے مطابق ابھی کتنا فاصلہ باقی ہے۔!" جیمسن نے پوچھا۔

"زیادہ سے زیادہ پانچ یا چھ میل۔!" عمران نے کہا۔

"یعنی صرف پلکوں کی سوئیاں رہ گئی ہیں۔!"

"ٹھیک سمجھا آپ نے۔!" عمران نے چڑانے والے انداز میں کہا۔

اتنے میں جوزف نے اپنی گاڑی عمران کی سائیڈ پر لگالی اور بولا۔ "باس جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش کیجئے۔ آگے چٹانی راستہ شروع ہو رہا ہے۔ اگر راستے میں کچھ چٹانیں حائل ہوئیں تو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ آسانی سے کیسے عبور کی جا سکتی ہیں۔!"

"جوزف ٹھیک کہہ رہا ہے۔!" جیمسن رفتار تیز کرتا ہوا بولا۔ "اندھیرا پھیلنے میں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ سورج غروب ہونے ہی والا ہے۔!"

عمران کی آنکھوں میں تشویش کے آثار صاف پڑھے جا سکتے تھے۔

جوزف نے اپنی وین آگے کرتے ہوئے کہا۔ "میں آگے چلوں گا باس.... اگر کسی سے مڈ بھیڑ ہو گئی تو بات بھی خود ہی کروں گا۔ یوں تو ہم سب ہی اعلیٰ قسم کے میک اپ میں ہیں۔ مگر باس تم اپنے لہجے کی وجہ سے پہچان لئے جاتے ہو۔!"

"اب آگے بھی بڑھ.... بڑا آیا مجھے سبق پڑھانے والا....!" عمران بگڑ کر بولا۔

دو میل بعد چٹانی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جوزف نے حتی الامکان جلد از جلد چٹانوں تک پہنچنے کی کوشش کی تھی اور اُن کو عبور کرنے کے لئے جگہ بھی منتخب کر لی تھی۔

راستہ دشوار گذار ثابت ہو رہا تھا۔

عمران بڑے غور سے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ چٹانیں زیادہ تر اندر سے کھوکھلی ہوں گی۔ اسی وجہ سے ان میں گزرگاہیں بنانا آسان ہو گئی تھیں۔

رات کی سیاہی گہری ہونے سے پہلے پہلے یہ لوگ اس بستی میں پہنچ گئے جو خیموں کی بستی کہلاتی تھی اور جہاں زیادہ تر ماہی گیر آباد تھے۔

ان لوگوں نے بھی مناسب جگہ کا انتخاب کر کے اپنا خیمہ گاڑ لیا تھا اور دونوں گاڑیاں خیمے کی پشت پر کھڑی کر دی تھیں۔

کسی نے ان کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ جیسے خیمے گاڑتے چلے جانا یہاں کے لوگوں کا معمول رہا ہو اور ایک ایک دو دو خیمے ضرور تا گاڑتے گاڑتے خود بخود ایک بستی بن گئی ہو۔

بھوک شباب پر تھی.... اور تھکن اضمحلال پیدا کر رہی تھی۔

"مجھے تو یہ جگہ بڑی شاداب لگ رہی ہے۔!" جیمسن بولا۔ "ہم اتنے دنوں سے صرف جھک مارتے رہے۔ آپ پہلے ہی اس طرف متوجہ کیوں نہ ہوئے....؟"

"میں اب کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔!" عمران یک بیک سنجیدہ نظر آنے لگا۔

ظفر اور جوزف اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"ہم بڑی دشواری میں پڑ گئے ہیں۔ تم تصور نہیں کر سکتے۔!"

"آخر کچھ بتائیے بھی....!" ظفر نے پوچھا۔

"مجھے صرف ایک چیز کی تلاش یہاں کھینچ لائی ہے۔!" عمران سنجیدگی سے بولا۔

“وہ کیا۔۔۔؟”

“اسلحے کا ذخیرہ۔۔۔ میں سچ مچ جھک نہیں مار تا رہا ہوں۔ ساگر اور ضرغام کے ذریعے سے یہی معلوم ہوا تھا کہ اسلحے سے بھرے ہوئے ٹرک انہیں کبھی کبھی چار سو میل سے آگے بھی لے جانا پڑتے تھے۔ یقیناً بڑے پیانے پر اسلحے کا ذخیرہ کہیں نہ کہیں ہو رہا ہے۔ اسے چھپانے کے لئے یہاں کا کچھ علاقہ نہایت موزوں ہے اور اگر اسلحہ پورٹ خلیل سے ذخیرے تک پہنچایا جائے تو راستہ اور بھی کم ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک بڑی زبردست جھیل بھی ہے جہاں بڑے بڑے اسٹیمر کھڑے رہ سکتے ہیں اور وہ جھیل ماہی گیری کے کام بھی آتی ہے۔ ماہی گیروں کی پوری ایک بستی یہاں موجود ہے۔ خود سوچو۔۔۔ اُن سے کس قسم کا کام لیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے اندر مچھلیوں کے ڈھیر کے نیچے چھوٹے مگر انتہائی مہلک ہتھیار چھپا کر کتنی آسانی سے ساحل تک لا سکتے ہیں۔!”

“اوہ میرے خدا۔۔۔!” ظفر حیرت سے بولا۔ “اندرونی طور پر یہاں یہ ہو رہا ہے؟”

سب خاموش ہو کر اپنی اپنی جگہ کچھ سوچتے رہے تھے۔

* * *

بستی کی صبح بڑی خوش گوار تھی۔ سورج کی شعاعیں ہری بھری پہاڑیوں پر گویا پگھلا ہوا سونا لنڈھا رہی تھیں ہوا کے خنک خنک جھونکے عجیب طرح کی خوشبوئیں فضا میں بکھیر رہے تھے۔

وہ چاروں خیمے سے نکل آئے تھے۔ عمران نے ایک ایسے پروفیسر کا میک اپ کر رکھا تھا۔ گویا وہ اپنے طالب علموں کو “طبقات الارض” کے بارے میں تحقیق کرانے اس علاقے میں آیا ہے۔ جوزف پر کوئی خاص میک اپ نہیں کیا تھا۔ صرف ڈاڑھی کا اضافہ کر دیا تھا اور آنکھوں پر چشمہ لگوا دیا تھا۔

ظفر الملک اور جیمسن مؤدب طالب علم ہی لگ رہے تھے۔ انہوں نے سفید اپرن پہن رکھے تھے اور ہاتھوں میں فائل لے لئے تھے۔ وہ پیدل ہی چل پڑے تھے۔ بستی کے لوگ انہیں یونہی رواروی میں دیکھتے اور قریب سے نکل جاتے۔ جیمسن نے ایک آدھ کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تو عمران نے اُسے منع کر دیا۔

وہ دن بھر گھومتے رہے تھے۔

ایک جگہ رک کر عمران جیمسن سے بولا۔ “یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم چاروں اکٹھے گھومیں۔ آؤ ہم کسی اور طرف نکل چلیں۔!”

“بالکل۔۔۔ بالکل۔۔۔!” جیمسن اُس کی بات سمجھتا ہوا بولا۔

وہ رک گئے تو ظفر الملک اور جوزف آگے بڑھتے چلے گئے۔

عمران نے جیمسن سے کہا۔ “ہم یہاں پکنک پر تو آئے نہیں ہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا۔۔۔؟”

“میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔۔۔!”

“خیر سنو۔۔۔ ہمیں کیا کرنا ہے۔۔۔ یعنی مجھے اور تمہیں۔۔۔! آج رات ان دونوں کو ہم خیمے میں سوتا چھوڑ جائیں گے۔ تلاش کا آغاز خیمے کے آس پاس سے ہی کریں گے۔!”

“اگر رات کو یہاں پہرہ لگایا جاتا ہو تب۔۔۔؟ کل رات کی تو ہمیں خبر ہی نہیں۔!” جیمسن پر تشویش لہجے میں بولا۔

“یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔۔۔ تمہیں بس رات کو تیار رہنا ہے۔!”

“بہت بہتر۔۔۔!” جیمسن بڑی سعادت مندی سے بولا۔

“اچھا۔۔۔ بس اب چلو۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اسلحے کا ذخیرہ دریافت کر لیں گے۔ جہاں ہمارا خیمہ ہے اس کی پشت پر بکھری ہوئی چٹانیں بہت کچھ کہتی معلوم ہو رہی ہیں۔!”

وہ دونوں پھر بستی کی طرف چل پڑے۔ جوزف اور ظفر الملک کسی بات پر الجھتے الجھتے ان سے پہلے ہی بستی میں داخل ہو گئے تھے۔

آج رات مطلع ابر آلود نہیں تھا۔ چاروں طرف شفاف چاندنی بکھری ہوئی تھی جیمسن اور عمران لومڑی کے شکاریوں کے میک اپ میں تھے۔ عمران نے “ماہر طبقات الارض” کا لبادہ اُتار کر ایسا میک اپ کر لیا تھا جیسے کہ اکثر سیزن پر آنے والے لومڑیوں کے شکاریوں کا ہوتا ہے۔ کچھ تبدیلی جیمسن کے چہرے میں بھی پیدا کر دی تھی۔

ظفر الملک اور جوزف کے خراٹوں کی آواز سن کر دونوں خاموشی سے باہر آ گئے اور پھر چٹانوں کے ایک سلسلے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

آدھ گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد عمران ایک جگہ رُک گیا۔ “میں یہاں کے نقشے کے ذریعے چٹانوں کی بناوٹ اور ان کے سلسلے میں کافی حد تک سمجھ گیا ہوں۔!” عمران نے کہا۔ “میں تمہیں وہ جگہ دکھاتا ہوں جہاں سے ہمیں یہ پہاڑی عبور کرنا ہے۔” یہ کہہ کر عمران نے ٹارچ روشن کر لی اور روشنی کا محدود دائرہ داہنی جانب رینگ گیا۔ یہ کسی غار کا دہانہ تھا۔

اچانک عمران نے ٹارچ بجھادی.... اُس نے کسی قسم کی آواز پر ہی ٹارچ بجھائی تھی۔ "بیٹھ جاؤ" عمران آہستہ سے بولا اور وہ دونوں غار کے دہانے پر ہی بیٹھ گئے۔

احتیاط کے باوجود بھی شائد وہ دیکھ لئے گئے تھے۔

دفعتاً تھوڑے ہی فاصلے پر سے کسی نے چیخ کر کہا۔ "کون؟ سامنے آؤ ورنہ چلاتا ہوں گولی۔!"

عمران فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ لوگ کون ہو سکتے ہیں۔ مگر چھپنا بھی بیکار تھا۔ لہٰذا وہ بھی بھاری بھرکم آواز میں تڑخ کر بولا۔ "تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے۔!"

"رینجرز....!"

"میں لومڑیوں کا شکاری ہوں.... اجازت نامہ ہے میرے پاس۔!" عمران نے جواب دیا۔

"ادھر شکار نہیں ہے۔!"

"ہم تلاش کرلیں گے.... نہ ہوا تو واپس چلے جائیں گے۔!" عمران بولا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی عمران نے مدھم چاندنی میں دیکھ لیا تھا کہ وہ تعداد میں چار ہیں۔ آگے اُن کا سرغنہ تھا اور صرف اسی کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی باقی خالی ہاتھ تھے۔

عمران کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ یہ لوگ رینجرز نہیں ہو سکتے۔ تو کیا ان چٹانوں پر پہرہ ہے؟

عمران ایک بڑے سے پتھر کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھا تھا جیمسن نے بھی رائفل سنبھال لی تھی اور پھر یہ دونوں اچانک ہی اُن چاروں کے سامنے رائفل تانے پہنچ گئے۔

"چاروں اپنے ہاتھ سروں سے بلند کرلو....!" عمران کڑک کر بولا۔ "ہلے اور مارے گئے۔!"

جیمسن نے بھی اُن چاروں کی طرف رائفل تان لی۔ اُن چاروں میں سے تین نے ہاتھ اوپر اٹھادیئے لیکن اُن کا سرغنہ یونہی سینہ تانے کھڑا اس طرح اُن کو گھور رہا تھا گویا اُن کے ہاتھ میں رائفل نہیں کھلونے ہوں اور ان کی دھمکی سے محظوظ ہو رہا ہو۔

"اے.... تم بھی اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.... اور رائفل ایک طرف ڈال دو۔!" جیمسن نے رائفل سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔

اچانک اُن تینوں کو نہ جانے کیا ہوا کہ جھپٹ کر جیمسن سے لپٹ گئے۔ گھبراہٹ میں جیمسن ائر بھی نہ کر سکا اور عمران اچھل کر ایک طرف کو دوڑا۔ اسی کے پیچھے ان چاروں کا سرغنہ بھی وڑ پڑا اور یہی اس کی غلطی تھی۔ عمران پینترا بدل کر ایک دم پلٹا تھا اور اس نے گھما کر رائفل جو اری تو حملہ آور کے سر پر پڑی۔ ٹامی گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ عمران نے اچھل کر اُس لی ٹامی گن اٹھائی اور اُسی گن کا دستہ اس آدمی کے سر پر ایک بار اور رسید کردیا۔ حملہ آور یہ چوٹ نہ سہہ سکا اور ایک طرف کو لڑھک کر بے حس و حرکت ہو گیا۔

عمران اُسے چھوڑ کر اُن تینوں کی طرف جھپٹا جو جیمسن پر پلے پڑے تھے۔ جیمسن کافی پٹ چکا تھا۔ مگر وہ لوگ اس سے رائفل نہیں چھین سکے تھے۔

عمران نے جما جما کر ان کے ایسی جگہوں پر ضربیں لگائیں کہ وہ فوری طور پر بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر اس نے جیمسن سے کہا۔ "شکار کے تھیلے میں ڈور کی لچھی ہے نکال لو....!"

جیمسن ریشم کی ڈور کا لچھا لے کر پھر اُسی طرف پلٹ آیا۔ پھر دونوں نے اُن چاروں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ عمران سرغنہ کو بھی کھینچ کر ان تینوں کے قریب ہی لے آیا تھا۔

"اب تم یہیں ٹھہرو.... میں اس غار کو اندر سے دیکھتا ہوں۔!"

پانچ منٹ بھی نہیں لگے کہ عمران غار کے اندر سے نکل آیا اور جیمسن سے بولا۔ "چلو ان چاروں کو اٹھا کر غار میں پہنچانا ہے۔ غار کے اندر ایسا سامان موجود ہے جس کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی کا مسکن ہے۔!"

"انہی لوگوں کا مسکن ہو سکتا ہے۔!" جیمسن بولا۔

وہ چاروں غار میں پہنچا دیئے گئے۔ انہیں ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ وہاں پائے جانے والے سامان میں کچھ موم بتیاں بھی تھیں جنہیں فوراً روشن کر دیا گیا۔

موم بتیوں کی روشنی میں عمران نے غار کا جائزہ لیا۔

جو اُن کا سرغنہ تھا اُس کے جسم میں جنبش ہوئی تھی۔ وہ خاکی پتلون اور خاکی قمیض پہنے ہوئے تھا۔ خدوخال کے اعتبار سے چاروں مقامی ہی لگتے تھے۔ اس کی تصدیق ان کے لہجے سے بھی ہو گئی۔

"دیکھتے ہی دیکھتے وہ پوری طرح ہوش میں آگیا۔ لیکن ہاتھ پیر بندھے ہونے کی وجہ سے خاموش پڑا قہر آلود نظروں سے عمران کو گھورتا رہا جو بندروں کی طرح زمین پر اکڑوں بیٹھا اس کی طرف متوجہ تھا۔

"شکاریوں کی بد دعا لینے کا مزا چکھ لیا تم نے....؟" عمران نے اُسے چڑھانے والے انداز میں مخاطب کیا۔

"تم کون ہو....؟" وہ دانت پیس کر بولا۔

"جنت سے نکالا ہوا آدمی....!" عمران نے معصومیت سے جواب دیا۔

سرغنہ عمران کو قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ شائد اس کا سر کہیں سے کھل گیا تھا۔ کیونکہ خون رس رس کر اُس کے چہرے پر آ رہا تھا۔ جیمسن نے وہیں پڑے ہوئے ایک کپڑے سے اُس کا چہرہ صاف کرنا شروع کر دیا۔

اچانک سرغنہ بولا۔ "تم کوئی بھی ہو مگر اس غار سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔!"

"ہم اوپر چڑھ کر پار اُتر جائیں گے۔!"

"اگر ایسا کرو گے تو تمہیں فوراً گولی مار دی جائے گی۔!"

"مگر کیوں....؟"

"یہ علاقہ ہمارا ہے....!" سرغنہ نے جواب دیا۔

"مگر ملک سے باہر تو نہیں.... اور اگر تم یہ بتا دو کہ خود تم کون ہو تو تمہارے حق میں اچھا ہی ہو گا کیونکہ رینجر والا بہانہ چلا نہیں۔!"

"تم شکاری نہیں ہو.... بلکہ اول درجے کے احمق معلوم ہوتے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہو....؟" سرغنہ دانت پیس کر بولا۔

"اور تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو....؟" عمران دیدے نچا کر بولا۔

"یور ہائی نس.... یہ وقت ضائع کر رہا ہے۔ شائد اس کے کچھ اور مددگار بھی ہوں کیوں نہ ہم ان کو مار کر غار کے دوسرے دہانے سے نکل جائیں۔!" جیمسن بالآخر بولا۔

"ہمیں غار کا دوسرا دہانہ بتاؤ.... تاکہ ہم اندر اندر چٹانوں کے اُس پار پہنچ جائیں۔!" عمران نے کہا۔

"چہ خوب.... ہم اسی لئے تو یہاں متعین ہیں کہ کوئی چٹانوں کے اس پار نہ جا پائے تو اُسے اندر سے جانے کا راستہ بتا دیں!" سرغنہ طنزیہ انداز میں بولا۔

"یور ہائی نس.... تھرڈ ڈگری آزمائیے.... چیں بول جائے گا۔!" جیمسن نے مشورہ دیا۔

"کوشش کر کے دیکھ لو.... جب تمہارا تشدد حد سے گذر جائے گا تو ہم مر جائیں گے اور ہماری لاشوں کے سوا کچھ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔!" سرغنہ لاپرواہی سے بولا۔

"کیا سمجھتے ہو....؟ تمہارے وہ آقا تمہاری جان کے محافظ ہیں جن کے مفاد کے لئے تم اپنی جان کی بازی لگا رہے ہو....؟" اچانک عمران نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"نہ ہوں.... ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ اپنوں کی اقتصادی گرفت سے نکلنے کے لئے ہم اُن پر اعتماد کر سکتے ہیں۔!" پھر اچانک اُس کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔

عمران نے مسکرا کر اُس کی جانب دیکھا۔

"تو تم بین الاقوامی بلیک میلرز کے ہتھے چڑھ گئے ہو۔!"

"ان کے بارے میں عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے۔ مگر میں اس حد تک متفق نہیں ہوں۔!" سرغنہ نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہارے متفق ہونے نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے....؟" جیمسن بولا۔

"خیر.... ہم تم سب کو مار کر نکل جائیں گے۔ اگر یہ بتا دو کہ کس کے لئے کام کر رہے ہو تو جان بخشی ہو سکتی ہے۔!" عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

"انسانیت کے لئے....!" سرغنہ بولا۔

"اچھا تو پھر میں انسانیت کا گلا گھونٹ رہا ہوں۔!" عمران نے اُس کی گردن کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یور ہائی نس....!" جیمسن ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ اس طرح کچھ نہیں بتائیں گے کیوں نہ میں ان سب کو شوٹ کر دوں....؟"

سرغنہ نے ایک وحشت ناک قہقہہ لگایا۔ کچھ دیر تک ہنستا رہا اور پھر بولا۔ "پہلے رائفل کا بوجھ اٹھانے کے قابل تو ہو جاؤ۔!"

جیمسن اس کی چوٹ پر تلملا کر رہ گیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت باہر ایک دھماکا ہوا۔

عمران نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر سرغنہ کی کنپٹی پر زور سے رائفل کا دستہ رسید کیا تھا اور وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو گیا تھا۔

جیمسن نے بڑھ کر موم بتیاں بجھا دی تھیں۔

عمران اندھیرے میں جیمسن کا ہاتھ پکڑ کر غار کے دوسرے دہانے کی طرف دوڑ پڑا تھا۔ اُسے

یقین تھا کہ یہ غار کہیں نہ کہیں ختم ضرور ہوگا۔

وہ تاریکیوں کی دلدل میں ڈوبتا ہی چلا جارہا تھا۔ غار آگے جاکر تنگ ہوگیا اور رفتہ رفتہ سرنگ میں تبدیل ہوتا جارہا تھا۔

"کیا آپ کے پاس ٹارچ ہے....؟" جیمسن نے سرگوشی کی۔

"اپنا شکاری تھیلا ساتھ لانا نہیں بھولا ہوں۔!" عمران نے جواب دیا۔ "مگر ٹارچ روشن کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ نہ جانے یہ سرنگ کہاں جاکر ختم ہو۔ یا غار کے اندر کوئی دوسرا غار موجود ہو۔!"

"بُرے پھنسے....!" جیمسن کراہا۔

"رسک تو لینا ہی پڑے گا۔!" عمران نے جواب دیا۔

غار کی اونچائی بس اتنی ہی تھی کہ وہ سیدھے چل سکتے تھے۔ کافی دیر تک چلنے کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جس کی تعمیر میں انسانی ہاتھوں کو زیادہ دخل نہ تھا۔ یہ سرنگ نما غار کا دہانہ تھا جس پر باہر سے ایک جھکی ہوئی چٹان سایہ کئے ہوئے تھی۔

ہوا کا ایک خوش گوار جھونکا ان کے چہروں سے ٹکرایا.... اور پھر عمران نے جیمسن کی کمر نہ پکڑلی ہوتی تو اس وقت جیمسن کی ہڈیاں بھی سرمہ بن گئی ہوتیں۔

سرنگ اوپر اٹھتی چلی گئی تھی۔ دونوں کو گھبراہٹ میں احساس ہی نہ ہوسکا کہ اوپر کی جانب جارہے ہیں۔ اب غار کا دہانہ ایک چٹان پر جاکر کھلا تھا۔

جیمسن نے آدھا دھڑ دہانے سے نکال کر نیچے دیکھا تو اُس کی روح فنا ہوگئی۔ ایک قدم بھی آگے بڑھ جاتا تو سیدھا نیچے ہی جاتا۔

"کیا خیال ہے....؟" عمران نے سرگوشی کی۔

"مرنا ہی ہے تو پھر اندیشہ کیسے....؟ لگاؤں چھلانگ....؟" جیمسن نے جواب دیا۔

"واپس چلو.... پھر دیکھیں گے۔!" عمران نے کہا۔

عمران واپسی کے لئے حرکت میں آیا ہی تھا کہ اندھیرے میں کسی چیز سے ٹکرایا اور گرتے گرتے بچا۔ اُس نے جیمسن کو اپنی طرف کھینچا اور زمین پر بیٹھ کر اُس چیز کو ٹٹولنے لگا جس سے ٹھوکر لگی تھی۔

"اوہ....!" ایک دم اُس کی زبان سے نکلا۔

"کیا ہے....؟" جیمسن نے بے چینی سے پوچھا۔

"جسم.... انسانی جسم....!" عمران نے جواب دیا۔

"ٹھنڈا ہے یا گرم....؟" جیمسن نے سرگوشی کی۔

"گرم ہے.... اور ہے بھی کسی عورت کا....!"

"اُف میرے خدا....!"

"شاید بے ہوش ہے۔!"

"کیا اٹھا کر لے چلیں گے....؟" جیمسن نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں.... انسانی جسم کو یوں چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔!"

عمران نے اُس بے ہوش جسم کو کاندھے پر ڈال لیا اور ٹٹول ٹٹول کر پھر سرنگ کے راستے ہی غار کی طرف واپسی ہوئی تھی۔

عمران غار میں واپس آیا تو ابھی تک وہ چاروں بے ہوش پڑے تھے۔ گویا غار میں کسی نے قدم نہیں رکھا تھا۔

عمران جیمسن اور بے ہوش جسم سمیت غار سے باہر آگیا.... اور بے ہوش جسم کو ایک بڑے سے پتھر کی آڑ میں رکھ دیا۔

مصیبت یہ تھی کہ چاندنی کھلی پڑی تھی۔ بے ہوش جسم کو کاندھے پر ڈال کر خیمے تک پہنچنا مشکل تھا اور اُس کے ہوش میں آنے تک کا انتظار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہی خدشہ تھا کہ نہ جانے کس وقت کچھ اور لوگ انہیں آکر گھیر لیں۔

تن بہ تقدیر دونوں نے یہی طے کیا کہ اسی حالت میں عورت کو کھڑا کردیا جائے اور دونوں بازوؤں میں ہاتھ ڈال کر کسی نہ کسی طرح کھینچتے ہوئے خیمے تک لے جایا جائے۔ اگر کسی نے روک کر پوچھا تو بہانہ کردیں گے کہ طبیعت خراب ہے۔

دونوں نے ایسا ہی کیا اور اس بے ہوش جسم کو خیمے تک لانے میں کامیاب ہوگئے۔

* * *

اُس کی آنکھ کھلی تو اُس نے خود کو ایک خیمے میں پایا۔ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ خوف سے چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔

اس کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہوگئی تھی۔ چند لمحے بے حس و حرکت بیٹھی رہی پھر چیخی

پھٹی نظروں سے اُن چاروں کو دیکھنے لگی۔ جن میں ایک سیاہ فام نیگرو بھی موجود تھا۔

وہ چاروں اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

لڑکی کے چہرے پر حد درجے نقاہت طاری تھی۔

"تت.... تت.... کون ہو تم لوگ....!" لڑکی خوف زدہ آواز میں بولی۔

"دوست....!" عمران نے مختصر سا جواب دیا۔

"دوست....؟" اس نے بے یقینی کے ساتھ دہرایا۔ "کیا تم لوگ اس کے آدمی نہیں ہو؟"

"کس کے....؟" عمران نے سوال کیا۔

"جو مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے۔!" لڑکی ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

"ہم تو کسی کے بھی آدمی نہیں... بس یونہی ہیں۔ خواہ مخواہ ہیں۔!" جیمسن بولے بغیر نہ رہ سکا۔

عمران نے اُسے گھور کر دیکھا اور لڑکی سے بولا۔ "میں علم طبقات الارض کا پروفیسر ہوں اور یہ میرے اسٹوڈنٹ ہیں۔ ہم لوگ یہاں کچھ ریسرچ کرنے آئے ہیں۔!"

"اوہ....!" لڑکی نے اطمینان کی طویل سانس لی۔

"ہم زمین کے طبق گننے نکلے تھے کہ تم ہمیں ایک جگہ بے ہوش پڑی مل گئیں اور ہم تمہیں اٹھا کر یہاں لے آئے۔ باقی تم خود اپنے بارے میں بتادو کہ اتنی دور جا کر کیوں بے ہوش ہو گئی تھیں۔!" جیمسن نے کہا۔

لڑکی کچھ دیر خاموش رہی۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے مگر ہچکچا رہی ہے۔

"تم بے فکر ہو کر اپنی روداد سنادو.... اگر راز داری چاہتی ہو تو تمہاری ہر بات ہم تک محدود رہے گی۔!" ظفرالملک بولا۔

"تو تمہارا تعلق اُن لوگوں سے نہیں ہے....؟" لڑکی نے سوال کیا۔

"ہم نے بتایا نا کہ ہم سب سے لاتعلق ہیں۔!" عمران بولا۔ "تمہیں کون مار ڈالنا چاہتا ہے؟ اگر مناسب سمجھو تو بتادو ممکن ہے ہم تمہاری کچھ مدد کر سکیں۔!"

"وہ لوگ بے حد خطرناک ہیں۔ اتفاقیہ طور پر میں ان کے ایک بہت بڑے راز سے واقف ہو گئی ہوں اور وہ اس بات سے آگاہ ہو گئے ہیں کہ میں اُن کا راز جان گئی ہوں۔ وہ مجھے شکاری کتوں

ی طرح ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔!" لڑکی پُر تشویش لہجے میں بولی۔

"چاہو تو ہمیں بھی اُس راز میں شامل کر لو....!" عمران نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو پہلے ناشتہ کر لو.... جب حواس بجا ہو جائیں تب بات کرنا۔ تم بھوک سے نڈھال ہو رہی ہو۔!"

جوزف نے عمران کا اشارہ پا کر ناشتے کی ٹرے اٹھائی اور لڑکی کے سامنے رکھ دی لڑکی ناشتے پر وٹ پڑی!

"تین دن سے کچھ نہیں کھایا....!" لڑکی بولی۔ "جان بچانے کیلئے ایک غار میں گھس گئی تھی۔ یکن وہ غار آگے چل کر سرنگ ثابت ہوا۔ اسلئے کمزوری اور بھوک سے نڈھال ہو کر وہیں گر پڑی۔ بعد کی مجھ کو کچھ خبر نہیں۔ ہوش میں آئی تو خود کو یہاں پایا۔ کیا میں سرنگ کے باہر ملی تھی؟"

"تم ہمیں اُسی سرنگ میں ملی تھیں جس کا ذکر کر رہی ہو۔ ہم سروے کرنے کے لئے اُس غار یں جا گھسے تھے۔ غار کے دوسرے دہانے تک جانے کا ارادہ تھا مگر تم نظر آگئیں تو آگے بڑھنے کا رادہ ملتوی کر کے تمہیں یہاں اٹھا لائے۔!" جیمسن نے وضاحت کی۔

لڑکی ناشتہ ختم کر چکی تھی اور اس کا چہرہ کسی قدر تروتازہ نظر آرہا تھا۔ وہ عمران کی طرف دیکھ کر بولی۔ "پروفیسر تم ایک ذمہ دار آدمی ہو۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنی کہانی تمہیں سنادوں تاکہ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔!"

"ضرور.... ضرور....!" عمران نے اس کی طرف پروفیسرانہ انداز میں متوجہ ہو کر کہا۔

"میں ایک ایسے شخص کی بیوی ہوں جو سابق حکومت کے زمانے میں نیوی کا آفیسر رہ چکا ہے کچھ ذاتی اختلافات کی بناء پر اُس نے استعفیٰ دے دیا تھا اور اب وہ ایک بحری جہاز پر ریڈیو آپریٹر ہے۔!"

"کیا نام ہے تمہارے شوہر کا....؟" عمران نے سوال کیا۔

"بہرام کاؤس....!"

عمران یہ نام سن کر چونک پڑا.... اچانک اسے باسط رشید کے مرتے وقت کے الفاظ یاد آگئے اس نے "کاؤس" ہی کہا تھا۔

"آگے کیا ہوا....؟" عمران نے سوال کیا۔

"میرا نام زہرہ کاؤس ہے۔ ہم لوگ خاصی پُر سکون زندگی گزار رہے تھے۔ میرا اور کاؤس کا

مشترکہ کاروبار تھا۔ مجھے اپنے باپ کی طرف سے خاصی دولت ملی تھی۔ میں نے کاؤس کے ساتھ مل کر خام مال کی تجارت شروع کردی ہمارا مال زیادہ تر انگلستان جاتا تھا۔ بڑے مزے میں زندگی گزر رہی تھی۔ میں ہر سفر میں کاؤس کے ساتھ ہوتی تھی اور ہم زیادہ تر بحری سفر کیا کرتے تھے۔ اچانک ایسا ہوا کہ کاؤس کی ملاقات کسی تقریب میں ایک ایسے سیاسی لیڈر سے ہوئی جو سابق حکومت کی ناک کا بال سمجھا جاتا تھا۔ مگر کمینی خصلت ہونے کی وجہ سے جلد ہی سابق حکومت کا معتوب ٹھہرا۔ وہ اپنی حکومت کا تختہ الٹ کر برسر اقتدار آنا چاہتا تھا لیکن اس کی یہ سازش کھل گئی۔ وہ راتوں رات یہاں سے فرار ہو گیا۔ موجودہ حکومت کا بھی وفادار نہیں تھا۔ اس لئے ملک میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ کاؤس کے ساتھ اس کی پرانی یاد اللہ تھی رفتہ رفتہ دونوں کے تعلقات وسیع ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اُس کے کہنے پر کاؤس نے ایک بحری جہاز "شر گل" پر ریڈیو آپریٹر کی حیثیت سے ملازمت کرلی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ وہ اسی سیاسی لیڈر کا اور اپنا خام مال یہاں پہنچاتا ہے اور دونوں تجارت میں حصے دار ہیں۔" لڑکی خاموش ہو کر عمران کو دیکھنے لگی۔

بحری جہاز "شر گل" کا نام سن کر عمران کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

"تمہارے لئے تو اس میں کوئی تشویش کی بات نہیں لگتی۔!" عمران نے کہا۔

"وہی بتانے جا رہی ہوں۔!" لڑکی تھوک نگل کر بولی۔ "کچھ دنوں سے مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ کاؤس سفر کے دوران مجھے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا۔ کھل کر کہتا بھی نہیں تھا لیکن ایک روز کہنے لگا کہ میں گھر پر ہی رہا کروں۔ بحری سفر اب وہ تنہا ہی کیا کرے گا۔ یہ بات اُس نے اُس وقت کہی تھی جب ہم انگلستان سے خام مال لاد کر لا رہے تھے اور ابھی اپنے ملک سے دور کھلے پانیوں میں تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ بحری جہاز کو تو وہیں کھلے سمندر میں چھوڑ دیا جاتا تھا اور سامان اسٹیمر کے ذریعے پورٹ تک لایا جاتا تھا۔ کیونکہ ابھی پورٹ زیر تعمیر ہے اس لئے بڑے بڑے جہازوں کو دور ہی کھڑا کیا جاتا ہے یہاں ایک مخصوص اسٹیمر جھیل "بیکراں" میں کھڑا رہتا ہے اُسی پر خام مال بار کر کے لایا جاتا ہے۔ ایک رات میں جہاز پر اپنے کیبن میں سو رہی تھی کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ کاؤس شائد انجن روم میں تھا۔ میرے دل میں نہ جانے کیا آئی کہ میں اٹھ کر کاؤس کی طرف چلدی۔ انجن روم کا دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ اندر کاؤس ایک آدمی کے ساتھ موجود تھا۔ اس شخص کی پشت دروازے کی جانب تھی لہٰذا میں اُس کا چہرہ نہ دیکھ سکی۔ مگر اُن دونوں کی گفتگو بہ آسانی سن سکتی

ھی۔ مجھے اُن کی باتوں سے کچھ شبہ ہوا تو میں انجن روم میں جانے کی بجائے باہر ہی رک کر اُن کی فتگو سننے لگی۔ یہ دھڑکا بھی تھا کہ کہیں کوئی آنہ جائے اور مجھے انجن روم کے دروازے پر چوروں کی لرح کھڑا نہ دیکھ لے۔ اُن کی گفتگو سن کر میرے ہوش اڑ گئے۔ مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ کاؤس یری موجودگی کیوں ناپسند کرنے لگا ہے اور خام مال کی شکل میں اندرونی طور پر کیا بزنس ہو رہا ہے۔!" لڑکی ایک دم خاموش ہو گئی۔

"کیا، نس ہو رہا ہے....؟" عمران نے سوال کیا۔

"کچھ بین الاقوامی قسم کے ٹھگ اسلحہ اسمگل کر کے یہاں بھیج رہے ہیں اور یہاں سے اسمگل ر کے کسی اور پس ماندہ ملک کو پہنچا رہے ہیں۔!"

"اوہ....!" عمران نے دیدے نچائے۔

"تب مجھے پتہ چلا کہ میرا شوہر درحقیقت کیا کر رہا ہے۔ وہ ملک سے غداری کر رہا ہے۔ اس سیاسی لیڈر نے ہی اسے غداری کی راہ پر لگایا تھا۔!"

"تم اس پر غداری کا الزام کیسے لگا رہی ہو....؟" ظفر نے سوال کیا۔

"اسلحہ کی اسمگلنگ منہ دیکھنے کے لئے نہیں ہوتی۔ ملک میں مسلح بغاوت کی تیاریاں نہیں ہیں تو پھر کیا ہے..... بولو۔ کاؤس اس میں حصہ نہیں لے رہا....؟" لڑکی نے متفکر ہو کر پوچھا۔

"ہاں.... یہ تو ہے....!" عمران نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ سیاسی لیڈر بھی کسی کا ایجنٹ ہے۔ خود اپنے بل بوتے پر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ کوئی بڑی طاقت اپنے ایجنٹوں کو برسر اقتدار دیکھنا چاہتی ہے۔!" لڑکی نے سر ہلا کر کہا۔

"لڑکی.... تم تو میرے ذہن کی کھڑکیاں کھولے دے رہی ہو۔!" عمران نے پروفیسرانہ انداز میں حیرت سے کہا۔

لڑکی خاموش رہ کر اپنی انگلیوں اور ناخنوں کو دیکھتی رہی۔

"تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تمہاری جان خطرے میں کیوں تھی....؟" اچانک عمران نے سوال کیا۔

"پورٹ پر ایک بہت اچھا ہوٹل ہے۔ کاؤس جب تک یہاں رہتا ہے ہم لوگ ہوٹل ہی میں

قیام کرتے ہیں۔ ہمارے لئے ہمیشہ دو کمرے ریزرو رہتے ہیں۔ ایک کمرہ اُس کا اور دوسرا میرا۔ دونوں کو ایک ہی باتھ روم ملاتا ہے۔ میں چونکہ کاؤس کی طرف سے مشتبہ ہو چکی تھی۔ لہٰذا ہر وقت ٹوہ میں رہنے لگی آج سے چار روز پہلے کا واقعہ ہے کہ کاؤس کے کمرے میں ایک شخص اُس سے ملنے آیا۔ میری غلطی یہ تھی کہ میں بیرونی دروازے پر کان لگا کر اُن کی باتیں سننے لگی۔ میرا خیال ڈریسنگ ٹیبل کی طرف نہیں گیا۔ اچانک کھلے دروازے کی درز میں سے میری نظر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے پر پڑی تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ کیونکہ آنے والا آئینے میں صاف دیکھ رہا تھا۔ میں خوفزدہ ہو گئی اور بھاگ کھڑی ہوئی۔!“

”حماقت تھی.. تم کاؤس کی بیوی تھیں دروازہ کھٹکھٹا کر اندر جا سکتی تھیں۔!“ ظفر الملک نے کہا۔

”بس فوری طور پر خوف غالب آگیا۔ اکثر سنا تھا کہ ایسے لوگ اپنے راز فاش ہو جانے کے خوف سے قتل کرنے سے بھی باز نہیں رہتے اور میں ان کے راز سے واقف ہو گئی تھی وہ یقیناً مجھے مار ڈالتے اور کاؤس کو خبر بھی نہ ہوتی۔ اسی لئے میں بھاگ کھڑی ہوئی اور پھر چار دن تک چھپتی پھرتی رہی یہاں تک کہ تم لوگ مجھے اٹھا لائے۔!“ لڑکی خاموش ہو کر ہانپنے لگی۔

”میری مدد کرو اچھے آدمی.... مجھے حکومت کے پاس لے چلو.... ورنہ پورا ملک کسی نہ کسی آفت کی لپیٹ میں آجائے گا۔!“ لڑکی نے کچھ دیر بعد عمران سے کہا۔

”گھبراؤ مت!“ عمران نے اُسے تسلی دی۔ ”پہلے میں اپنے طور پر اس معاملے کو دیکھوں گا۔!“

”ہاں.... باس.... یہ اپنے ہی مطلب کی کہانی ہے۔!“ جوزف خوش ہو کر بولا۔

”تم....؟“ وہ حیرت سے بولی۔ ”تم کیا دیکھو گے....؟“

”یہی کہ وہ کتنے فیصد غدار بن چکا ہے اور کتنے فیصد باقی بچا ہے۔!“ عمران نے کہا۔

”پھر....؟“ لڑکی نے سوال کیا۔

”جتنا باقی رہ گیا ہوگا مار پیٹ کر سو فیصد کر لوں گا تم اس کی فکر نہ کرو۔!“

”تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں....؟“ لڑکی نے بے اعتباری سے پوچھا۔

”بس ہم چار ہیں اور اب ایک تم بھی شامل ہو گئی ہو۔!“ عمران نے معصومیت سے جواب دیا۔

”بے دردی سے مار ڈالے جاؤ گے۔ تم نہیں جانتے کہ وہ لوگ کیسے ہیں۔ جو حکومت سے ٹکر لینے کا پروگرام بنا رہے ہیں ان کے سامنے تم چاروں کی کیا حقیقت ہے۔!“

”دیکھا جائے گا۔!“ عمران لاپرواہی سے بولا۔ ”یہ بتاؤ اسٹیمر کا عملہ کتنے افراد پر مشتمل ہے۔!“

”کاؤس سمیت دس افراد ہیں۔!“

”وہ تو شاید ماہی گیری کا اسٹیمر ہے۔!“

”بظاہر ایسا ہی ہے.... مگر وہ اسٹیمر نہیں.... جہنم ہے وقت پڑنے پر ایک جنگی جہاز میں بھی تبدیل ہو سکتا ہے۔ کئی ہلکی توپیں اس پر موجود ہیں۔!“

”کوئی بات نہیں.... کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے۔!“ عمران نے اپنی پروفیسرانہ شان میں کہا۔

”اپنی جانیں خواہ مخواہ خطرے میں نہ ڈالو۔ مجھے صرف حکومت کے ذمہ دار لوگوں تک پہنچا دو۔!“

”ہماری پرواہ نہ کرو.... تم ہمارے ساتھ رہنا چاہتی ہو یا کہیں اور جانا چاہتی ہو۔!“

”تم لوگ بہت اچھے ہو۔ فی الحال میں تمہارے ساتھ ہی رہنا پسند کروں گی مگر اس سے تم لوگوں کی زندگیاں بھی خطرے میں پڑ سکتی ہیں۔ وہ مجھے شکاری کتوں کی طرح ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔ تم لوگ مجھے اُن سے نہیں بچا سکو گے۔!“ زہرہ کاؤس پر تشویش لہجے میں بولی۔

”تم ایک کھلی حقیقت کو جھٹلا رہی ہو۔ ارے ہم تمہیں اُن سے بچا کر لے بھی آئے ہیں۔!“ جیمسن ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”اگر تمہاری شکل تبدیل کر دی جائے تو کیسا رہے گا....؟“ عمران نے کہا۔

”وہ بھلا کیسے....؟“ زہرہ کاؤس نے حیرت سے پوچھا۔

”ارے میں صرف پروفیسر ہی نہیں ہوں۔ ایک ماہر میک اپ مین بھی ہوں۔ تمہیں بھی اپنے شاگردوں میں شامل کر لوں گا۔ کون مائی کا لال جو پہچان جائے۔ خود تمہارا شوہر تمہیں نہیں پہچان سکے گا۔!“

”تب تو ٹھیک ہے۔!“ زہرہ کاؤس بولی۔ ”اب میں خود بھی تم لوگوں کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی۔ یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ کاؤس کس حد تک غدار ہے۔ اگر وہ واقعی غدار ثابت ہوا تو میں اپنے ہاتھ سے اُس کو گولی مار دوں گی۔!“

”شاباش مسی....! تم ایک شیر دل خاتون ہو۔ تم ہمارے ساتھ رہو گی۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔!“ جوزف سینہ ٹھونک کر بولا۔

”میں کچھ نہیں جانتی۔ جو تمہارا دل چاہے اس سلسلے میں کرو۔ مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں۔ اگر وطن کو بچانے کے کام آجائے تو اور کیا چاہئے۔ فکر صرف تم لوگوں کی ہے کہ میری وجہ سے کسی

آفت کا شکار نہ ہو جاؤ۔!" زہرہ نے جوزف کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بس بس.... تم فکر نہ کرو....!" عمران بولا۔ "چاہو تو اور آرام کر سکتی ہو شام کو ہم "طبقات الارض" کی تحقیق کے سلسلے میں ساحلی ہوٹل تک جائیں گے۔ کیا نام ہے اس ہوٹل کا....؟"

"ہوٹل برائٹ اسٹار....!" لڑکی آہستہ سے بولی اور گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

* * *

عمران اُن سب کو خیمے میں چھوڑ کر اکیلا ہی نکل کھڑا ہوا تھا۔ جوزف نے احتجاج بھی کیا تھا کہ وہ اُسے ساتھ رکھے مگر عمران نے اس کو خیمے میں رہ کر زہرہ کاؤس کی حفاظت کرنے کی ہدایت کی تھی۔

شام تک عمران کی واپسی ہوئی تھی۔ دن بھر کیا کرتا رہا اس کی کسی کو خبر نہیں تھی۔

عمران نے زہرہ کاؤس کا میک اپ اس طرح کیا تھا کہ خود بھی وہ اپنے آپ کو نہیں پہچان سکی تھی اور عمران کے ماہرانہ میک اپ کی دل کھول کر تعریف کرتی رہی تھی۔ اُسے ایک ایپرن بھی پہنا دیا گیا تھا تاکہ طالبہ لگ سکے۔ عمران ایک سفید ساڑھی اور سفید بلاؤز بھی کہیں سے حاصل کر کے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ ساحل تک جانے کے لئے جیپ استعمال کی گئی تھی۔

وہ بڑی پُر فضا جگہ تھی۔ دور دور تک تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹے بڑے ہٹس بنے ہوئے تھے۔

جیپ خود عمران ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ جیپ میں بیٹھے سب افراد یہی سمجھ رہے تھے کہ عمران کا اگلا ٹارگٹ ہوٹل "برائٹ اسٹار" ہی ہوگا۔ مگر جیپ ہوٹل کی حدود سے نکلتی ہوئی اُدھر ہی بڑھ رہی تھی جدھر بہت سے ہٹس بنے ہوئے تھے۔

عمران نے ایک جگہ جیپ روک دی اور سب کو جیپ سے اُتر جانے کو کہا۔

"آگے پیدل مارچ کرنا ہے۔!" عمران بولا۔

سب پیدل چل پڑے۔ عمران آگے آگے چل رہا تھا اور چلنے کا انداز بھی پروفیسرانہ ہی تھا۔ پیچھے چلنے والوں میں زہرہ کاؤس، ظفرالملک اور جیمسن ہاتھوں میں فائل پکڑے چل رہے تھے۔ جوزف سب سے پیچھے تھا۔

عمران ایک ایسے ہٹ کے سامنے جا کر رک گیا جو ساحل سے تو قریب تھا لیکن باقی تمام ہٹس سے دور تھا۔ وہ اس انداز میں کھڑا تھا جیسے اب اُن کو "طبقات الارض" کے بارے میں کوئی اہم بات بتائے گا اور وہ چاروں اس کے سامنے اس طرح مؤدب کھڑے تھے جیسے اگر وہ اہم بات اس

وقت سننے اور سمجھنے سے رہ گئی تو زندگی بھر اس کا ملال رہے گا۔

"ہاں.... تو میں یہ کہہ رہا تھا اسٹوڈنٹس....!" عمران بہ آواز بلند بولا۔ "زمین کی فضا میں کئی طبقے ہیں جو ایک دوسرے سے اوپر واقع ہیں۔ ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا ہیں۔ گو ان کی حدود صاف طور پر واضح نہیں۔ پھر بھی ہر ایک کی پہچان ممکن ہے۔ مثلاً ہوا کا "کرہ اوّل" لے لیجئے۔ یہ خط استوا پر تقریباً سولہ کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے اور قطب پر کوئی آٹھ کلومیٹر تک۔ فضا کی زیادہ تر کثافت یہیں موجود ہے۔ تمام موسمی مظاہرے اس منطقے میں رونما ہوتے ہیں۔ اسی طرح "رواں کرہ" ہے یہ تین سو پچاس کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں گیس کی تہیں موجود ہیں جو سورج کی شعاعوں سے رواں ہو گئی ہیں۔ یعنی ان میں مثبت اور منفی برقی ذرات آزاد شکل میں رواں ہیں۔ چونکہ یہ ادنیٰ (لو فریکوئنسی) ریڈیائی لہروں کو منعکس کر سکتے ہیں اس لئے اس کے ذریعے ریڈیائی نشریات دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچائی جا سکتی ہیں۔ خواہ ہوائی جہاز ہوں یا پانی کے جہاز ریڈیائی نشریات کا یہی اصول کارفرما رہے گا۔ اس کے علاوہ....!"

اسی وقت جیمسن نے ایک دم اپنا داہنا ہاتھ اٹھا دیا تھا۔

"اسٹوڈنٹ.... کچھ کہنا چاہتے ہو....؟" عمران نے خالص پروفیسرانہ زبان استعمال کرتے ہوئے پوچھا۔

"یس سر....!" جیمسن نے ہاتھ گراتے ہوئے کہا۔

"کہو....!"

"سر.... ہم زمین کی فضا کے بارے میں نہیں بلکہ زمین کے طبقات کے بارے میں ریسرچ کرنے آئے ہیں شائد آپ بھول گئے ہیں....!" جیمسن نے شوخ لہجے میں کہا۔

"آں.... ہاں.... اچھا.... اچھا....!" عمران نے بھول جانے کی شاندار اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "مگر اسٹوڈنٹ! زمین کے طبقات کے بارے میں ریسرچ کرنا دراصل حماقت ہے۔!"

"وہ کیسے سر....؟" اس بار ظفرالملک بول پڑا تھا۔

"زمین میں کیا رکھا ہے۔ جتنا کھودو ہڈیاں ہی ہڈیاں نکلی چلی آئیں گی۔ اپنے آباؤ اجداد کی ہڈیاں، اُن کے آباؤ اجداد کی ہڈیاں۔ پھر اُن کے آباؤ اجداد پھر اُن کے آباؤ اجداد....!"

"بس.... بس.... سر اتنی ہڈیوں کا کیا کریں گے۔!" جیمسن عمران کی عادت سے گھبرا کر بولا۔

”یا پھر.... کہیں کہیں.... زیورات مل جائیں گے۔ جن کو بنواتے بنواتے سارے آباؤ اجداد کو زمین کا پیوند ہونا پڑا....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”سر.... زمین کی فضا کے بارے میں بھی جان کر کیا کریں گے اس میں بھی کیا رکھا ہے۔!“ ظفر الملک نے کہا۔

”فضا کے بارے میں جاننا زیادہ ضروری ہے۔ فضائی حملہ ارضی حملے سے زیادہ مہلک ہوتا ہے۔!“ عمران نے اُس کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

”کوئی فائدہ نہیں....!“ ظفر الملک بولا۔ ”ابھی تک ہمارے سائنسدان یہ تک معلوم نہ کر سکے کہ مرنے کے بعد ”روح“ جب آسمان کی طرف پرواز کرتی ہے تو عمودی جاتی ہے یا ترچھی؟ اور راہ میں جو خلائی رکاوٹیں ہیں اُن کو کس طرح پھلانگتی ہے یا پھر وہ خلا میں ہی رہ جاتی ہے۔!“

”احمق ہو....!“ عمران بگڑ کر بولا۔ ”بھلا اس وقت ”روح“ کا کیا ذکر؟“

”خیال آگیا تھا سر....! آباؤ اجداد کی ہڈیوں کے ساتھ اُن کی روحوں کا بھی تو علم ہونا چاہئے۔!“ ظفر الملک نے کہا۔

”تو پھر زمین کے طبق اور زمین کی فضا دونوں کو گولی مارو۔ اس ہٹ میں داخل ہو جاؤ اور فی الحال یہ ریسرچ کرو کہ اس کے اندر کیا عجائبات ہیں۔!“ عمران نے ہٹ کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اس تمام عرصے میں جوزف اور زہرہ کاؤس خاموش ہی رہے تھے۔ جوزف تو بلاوجہ دخل اندازی کرتا ہی نہیں تھا۔ زہرہ کاؤس کو عمران نے بولنے سے منع کر دیا تھا کیونکہ وہ لہجہ بدلنے پر قادر نہیں تھی۔

ہٹ کے دروازے پر موٹا سا تالا لگا ہوا تھا۔ عمران نے ایپرن کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کنجی نکالی اور تالا کھول کر ہٹ میں داخل ہو گیا۔

وہ سب بھی اُس کے پیچھے ہی ہٹ میں داخل ہوئے تھے۔ پھر سب ہی حیرت سے اُس آدمی کو دیکھنے لگے جو ریشمی رسیوں سے بندھا ایک کرسی پر بیٹھا تھا اور اُس کے منہ پر ٹیپ چپکا ہوا تھا اُس کے آگے ایک بڑی سی میز بچھی ہوئی تھی۔ جس پر ایک نقشہ پھیلا ہوا تھا۔

جونہی زہرہ کاؤس کی نظر اُس قیدی پر پڑی اُس کی بے اختیار چیخ نکل گئی تھی۔

چیخ بے اختیار تھی۔ قیدی چونک کر زہرہ کاؤس کو دیکھنے لگا تھا۔ یہ بہرام کاؤس تھا۔

عمران کے شاگردوں کو یہ جاننے میں دیر نہیں لگی کہ یہ عمران کا کارنامہ ہی ہو سکتا ہے۔ دن بھر غائب رہ کر وہ یہی سب کچھ کرتا رہا تھا۔

بہرام کاؤس چوڑے چکلے شانوں اور ایک مضبوط اعصاب والا شخص دکھائی دیتا تھا۔

وہ عمران کو دیکھ کر غرایا تھا۔

”کون ہو تم لوگ....؟“

”آہستہ بولو....!“ عمران بولا۔ ”یہ سب میرے طالب علم ہیں اور مجھے تم پہلے بھی دیکھ چکے ہو۔ طبقات المزاج کا ماہر ہوں میرے گھونسے اور تھپڑ تمہیں یاد ہی ہوں گے۔!“

”تم مجھے روک کر اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو۔!“ وہ غرا کر بولا۔

”اسٹیمر پر تمہاری بیوی بھی تو تھی وہ کہاں گئی....؟“ اچانک عمران نے سوال کیا۔

”مت لو نام اُس بے وفا کا!“ کاؤس زمین پر تھوکتے ہوئے بولا۔ ”نہ جانے کس کے ساتھ بھاگ گئی۔!“

اچانک زہرہ کاؤس آگے بڑھی اور اس نے ایک زناٹے دار تھپڑ کاؤس کے گال پر جڑ دیا۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ کوئی بھی مداخلت نہ کر سکا تھا۔

”اوہ.... کتیا.... کون ہے تو....؟“ کاؤس غصے سے دیوانہ ہو کر بولا۔

”بے غیرت.... غدار.... میں تجھے جان سے مار ڈالوں گی۔!“ غصے سے بلبلا کر بولی۔

”اوہ.... تم....!“ کاؤس کی آنکھوں میں حیرت ابھر آئی آواز تو زہرہ کی سی تھی مگر حلیہ اور شکل اجنبی تھی۔

کاؤس نے گھبرا کر باری باری اُن سب کے چہروں کو دیکھا اُس کی سمجھ میں یہ معمہ ہی نہیں آیا تھا۔

”ہاں.... میں زہرہ ہوں.... ان شریف آدمیوں نے میری جان بچائی تھی اور اب وقت میک اپ میں ہوں کیونکہ تمہارے گروہ کے ذلیل آدمی میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ پہچانتے ہی گولی مار دیں گے۔“

”ہُم.... مگر.... مگر مجھے تو بتایا گیا تھا کہ تم نے میرے ساتھ بے وفائی کی ہے۔ تم کسی اور کے ساتھ فرار ہو گئی ہو۔!“ کاؤس نے اُس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور تم نے یقین کر لیا۔!“ زہرہ غضب ناک ہو کر بولی۔

"مجھے تمام صورت حال سمجھادو.... میری عقل چکرا رہی ہے۔!" کاؤس بیچارگی سے بولا۔

پھر آدھا گھنٹہ اُس کو تمام حالات سمجھانے میں صرف ہوا تھا اس دوران میں عمران اور اُس کے ساتھی بالکل خاموش رہے تھے۔ صرف زہرہ کاؤس ہی بولتی رہی تھی۔

زہرہ کاؤس نے شروع سے آخر تک اپنی کہانی سنادی تھی اور کاؤس تمام کہانی سن کر عمران سے بولا۔

"میرے ہاتھ کھول دو.... میں فرار نہیں ہوں گا۔ میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔ بے وقوف بنا کر اپنا کام نکالنے والوں کو میں ہرگز معاف نہیں کروں گا۔!"

عمران نے جوزف کو اشارہ کیا۔ جوزف نے آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھ کھول دیئے۔ کاؤس نے میز پر سے سگریٹ کی ڈبیہ اٹھا کر ایک سگریٹ نکالا۔

زہرہ کاؤس نے میز پر سے لائٹر اٹھا کر جلایا اور اس کا شعلہ کاؤس کے منہ میں دبے ہوئے سگریٹ کے قریب کردیا۔

کاؤس نے ایک طویل کش لیا پھر زہرہ سے بولا۔ "یہ بالکل غلط ہے کہ میں غدار ہوں۔!"

"اگر تم ثابت کرسکے تو میں تمہیں معاف کردوں گی ورنہ اپنے ہاتھ سے شوٹ کردوں گی۔!"

"یہ بات وقت ثابت کرے گا کہ میں غدار نہیں ہوں۔ میں تو صرف پچھلی حکومت سے اور موجودہ حکومت سے بعض معاملات میں اختلاف رکھتا تھا اپنے اُس حق کے تحت جو مجھے ملکی دستور کے توسط سے ملا ہے۔ وطن سے غداری کا تصور تک نہیں کرسکتا۔ خوب جانتا ہوں کہ وطن سے غداری کرنے والا پہلے خود ہی جہنم واصل ہوتا ہے۔ سب بڑی بڑی طاقتیں ہمیں بے وقوف بنا کر اپنا کام نکال رہی ہیں۔ میں اب انہیں بتاؤں گا کہ ہم بے وقوف نہیں ہیں۔!" کاؤس جوش میں بولے جارہا تھا۔

عجیب مزاج کا آدمی تھا.... کچھ دیر پیشتر ملک کے دشمنوں کا دوست تھا اور اب انہیں لوگوں کا دشمن بن گیا تھا اور یہ انقلاب صرف ایک عورت کے تھپڑ سے رونما ہوا تھا۔

عمران شائد اس کی فطرت کو سمجھ گیا تھا اسی لئے اُس نے صرف زہرہ کو بولنے کا موقع دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے حادثے انہیں اپنی جگہ سے نہیں ہلاسکتے مگر ایک عورت اُن کو بنیادوں سے اکھاڑ دیتی ہے۔ کاؤس کا شمار انہیں لوگوں میں ہوتا تھا۔

* * *

زہرہ کاؤس کی درخواست پر عمران نے کاؤس کو آزاد کردیا تھا۔

اب یہ سب لوگ دوستانہ ماحول میں بات چیت کررہے تھے۔

"تمہیں عملی طور پر ہماری مدد کرنا ہوگی۔!" عمران کاؤس سے بولا۔

"میں تیار ہوں....!" کاؤس سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ اسلحہ کا ذخیرہ کہاں ہے....؟" عمران نے سوال کیا۔

"ہاں....!" کاؤس کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مگر تم دریافت کرکے کیا کروگے۔!"

"اُسے ضائع کرنا بے حد ضروری ہے۔!" عمران نے کہا۔

"یہ تمہارے بس کا کام نہیں....!" کاؤس بولا۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو.... تم صرف وہاں تک رہنمائی کروگے۔!" عمران بولا۔

"بڑے کمینے لوگ ہیں۔ بلکہ کمینوں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ ابلیس کے بیٹے کہہ لو۔ جب چاہیں تختہ الٹ دیں۔ بین الاقوامی قسم کے ٹھگ ہیں۔ میں بھی درپردہ اُن کی کھوج میں رہا ہوں۔ اصل بزنس ان کا ایک ملک کے راز چرا کر دوسرے ملک کے ہاتھوں فروخت کرنا ہے۔ یہی نہیں پس ماندہ ممالک میں افراتفری پھیلانے کیلئے اسلحہ اسمگلنگ بھی کرتے ہیں۔!" کاؤس جوش کے ساتھ کہے جارہا تھا۔ "تم اُن سے نہیں نپٹ سکتے۔ کمین سے کمین ہی نپٹا کرتا ہے اور میں خود بھی اُن سے کم کمین نہیں ہوں۔ میں ملک کو تباہی تک پہنچانا نہیں چاہتا۔!" کاؤس غراتے ہوئے بولا۔

"خدا کی پناہ.... بھلا اُن کا سرغنہ کون ہے....؟" عمران نے اچانک سوال کیا۔

"یہ معلوم کرکے کیا کروگے....؟" کاؤس اُس کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"ارے گرفتار کرادیں گے اُسے....!" عمران نے احمقانہ انداز میں جواب دیا۔

کاؤس نے کھنکتا ہوا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "مکاری سے مجھے دوچار گھونسے لگا کر اپنے آپ کو سورما سمجھنے لگے ہو۔!"

"بہادری دکھانے کی یا ہاتھا پائی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ حکمت عملی سے کام لیں تو اُن کا بیڑہ غرق ہوجائے گا۔!" عمران ہاتھ نچا کر بولا۔

"بھلا وہ کیسے....؟" کاؤس نے پوچھا۔

"پہلے اسلحہ کا ذخیرہ اڑادیں گے اس کے بعد کچھ اور سوچیں گے۔!"

"ہوں....!" کاؤس سوچ میں پڑ گیا۔ وہ کبھی کبھی کنکھیوں سے زہرہ کاؤس کی طرف بھی دیکھ

لیتا تھا۔ زہرہ کاؤس اس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھی۔

"ممکن تو ہے.... مگر....!" کاؤس ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔

"اگر.... مگر.... کچھ نہیں کاؤس....!" زہرہ اچانک بولی۔ "تمہیں وہی کرنا پڑے گا جو پروفیسر کہہ رہے ہیں اور میں ان لوگوں کے درمیان بطور یرغمال رہوں گی۔ تم اس فتنے کو ختم کردینے میں ایک اچھے حب الوطن کا پارٹ ادا کرو۔ جن ملکوں کے لوگوں نے بڑی طاقتوں سے ملکر اپنے مفاد میں ملک سے غداریاں کی ہیں اُن کا انجام ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔!"

کاؤس سر ڈالے کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ عمران اُس کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ جذباتی اور انتہاپسند آدمی پر بھروسہ کرنا حماقت ہی ہوتی ہے۔ نہ جانے کب پھر دشمن کی طرف پلٹ جائے۔

ہٹ میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے....!" کاؤس فیصلہ کن لہجے میں زہرہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "میں بتاؤں گا کہ وہ ذخیرہ کہاں ہے۔ مگر اس کو تباہ کرنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ تم سب خود بھی ضائع ہوسکتے ہو۔!"

"پرواہ نہیں....!" زہرہ لہک کر بولی۔ "کتے کی موت مرنے سے بہتر ہے کہ ایسی موت مر جائیں جو ملک کو تباہی سے بچالے۔!"

"پھر بھی بات ختم نہیں ہوگی۔!" اچانک کاؤس بولا۔

"میں جانتا ہوں۔!" عمران نے کہا۔ "تم صرف اُس جگہ کی نشاندہی کردو جہاں ذخیرہ موجود ہے۔ اُس کی تباہی کے بعد دوسرا مرحلہ دیکھیں گے۔!"

"یہی بہتر ہوگا۔ لانچ پر میری موجودگی انتہائی ضروری ہے۔ پرسوں رات اسلحہ کہ آخری کھیپ آنے والی ہے۔ اس کے بعد کیا ہوگا۔ کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ بار بار مجھے پیغام وصول کرنا ہوگا۔ میری غیر موجودگی انہیں شک میں ڈال دے گی اور پھر ہم انہیں کبھی نہ پاسکیں گے۔!" کاؤس سنجیدگی سے بولا۔

"کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا ہے جو اس سارے ڈرامے کا ہدایت کار ہے۔!" عمران نے سوال کیا۔

"نہیں.... مجھے لانچ پر صرف پیغامات ملتے ہیں۔ لیکن مجھے یہ معلوم ہے کہ بہت سے ملکوں کے مفرور سیاستدان اُس کے زیر تربیت اور زیر سرپرستی ہیں۔ ہمارے ملک کے ایک بڑے سیاستدان کے سر پر بھی اُسی نے ہاتھ رکھا ہے۔ شائد اس نے ہمارے سیاستدان کو کچھ زیادہ ہی خواب دکھادیئے ہیں۔!" کاؤس نے سگریٹ کی ڈبیہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تمہارا اسٹیمر کہاں کھڑا کیا جاتا ہے....!" عمران نے اچانک ہی پوچھا۔

کاؤس میز پر پھیلے ہوئے نقشے کی طرف متوجہ ہوکر ایک جگہ انگلی رکھتا ہوا بولا۔ "یہ جھیل بکراں" ہے اسکے مشرقی کنارے پر پورٹ خلیل کی گودی ہے۔ یہاں بظاہر ہمارا اسٹیمر پورے مشرقی کنارے پر ماہی گیری کرتا ہے۔ بحری جہاز "شر گل" سے یہی اسٹیمر "اسلحہ" بار کرکے "جھیل بکراں" میں داخل ہوتا ہے اور ساحل سے کچھ فاصلے پر کھڑا کردیا جاتا ہے۔ پھر ماہی گیروں کی کچھ لانچوں پر سلحہ اسٹیمر سے اتار کر بار کردیا جاتا ہے۔ اسکے بعد ٹرکوں پر لاد کر ذخیرے تک پہنچایا جاتا ہے۔!"

عمران بغور نقشہ دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے نقشہ تہہ کرکے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

کاؤس نے اسلحے کے ذخیرے کا مقام نقشے کے ذریعے عمران کو پوری طرح سمجھادیا تھا۔

پھر عمران کاؤس کو وہیں چھوڑ کر اپنے شاگردوں کو لے کر جس طرح آیا تھا اُسی طرح واپس ہوگیا تھا۔ زہرہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ اُس نے ہر حال میں ان لوگوں کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت زیادہ چاہتے تھے۔ کاؤس حسرت سے اُسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔

زہرہ کاؤس بھی ملول تھی۔ لیکن اُس نے اپنی خوشی سے اپنے آپ کو یرغمال بنایا تھا۔ شائد وہ بھی کاؤس کی متلون مزاجی سے بخوبی واقف تھی۔

◆

سب مزدوروں کے لباس میں تھے۔ زہرہ کو بھی ایسا ہی لباس پہنایا گیا تھا.... البتہ چہرہ میک اپ سے بے نیاز نہیں تھا۔

عمران نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ اپنی چال میں کچھ تبدیلی پیدا کرے مگر اس سے بن نہیں پڑا تھا۔

سبھوں نے کدال اور دوسرے اوزاروں کے تھیلے اٹھالئے تھے۔

بڑی سرسبز وادی تھی۔ وادی کے دو طرف سبز گھاس پھیلی ہوئی تھی۔ دور سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے قدرت نے مخمل بچھادی ہو۔

اسی وادی میں بے شمار آدمی کام کرتے ہوئے دکھائی دیئے تھے۔ چٹانیں توڑی جارہی تھیں اور پتھروں کے مختلف سائز کے ٹکڑے کاٹے جارہے تھے اور انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جارہا تھا۔

کئی عورتیں بھی ہتھوڑوں سے پتھر توڑتی نظر آئیں۔ انہیں میں عمران نے زہرہ کاؤس کو بھی

شامل کر دیا تھا۔

جیمسن، ظفر الملک اور عمران مزدوروں میں شامل ہو گئے تھے۔ جوزف کو خیمے کی نگرانی کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ اپنے تن و توش اور رنگت کی وجہ سے مزدوروں میں توجہ کا مر بن جاتا اور یہی عمران نہیں چاہتا تھا۔ وقت کم تھا اس لئے وہ کسی اور چکر میں الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

اسی طرح شام ہو گئی اور کام روک دیا گیا۔ سارا دن پتھر ڈھوتے ڈھوتے جیمسن اور ظفر الملک کا حلیہ خراب ہو گیا تھا۔ البتہ عمران کے چہرے پر تھکن کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

سب مزدور اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چل دیئے تھے۔ کچھ دور تک عمران اور اُس کے ساتھیوں نے بھی مزدوروں کا ساتھ دیا تھا پھر وہ ایک جگہ پانی کا چھوٹا سا چشمہ دیکھ کر رک گئے۔ زہرہ کو اُس نے عورتوں سے پہلے ہی الگ کر کے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

سورج غروب ہونے لگا تھا اور رات کی آمد آمد تھی۔

عمران اپنے ساتھیوں سمیت سبز پہاڑی کے ایک غار میں داخل ہو گیا۔ اسی غار میں وہ سب رات ہونے کا انتظار کرتے رہے۔

رات ابر آلود تھی۔ گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ قریباً آدھی رات گذر جانے کے بعد عمرا اپنے ساتھیوں سمیت کسی نامعلوم منزل کی طرف چل پڑا۔

راہ میں کبھی کوئی چڑھائی آجاتی تھی اور کبھی وہ سنبھل سنبھل کر نشیب میں اُترنے لگتے تھے۔

عمران کے اندازے کے مطابق انہوں نے خاصی مسافت طے کر لی تھی۔

پھر وہ ایک غار کے دہانے کے پاس پہنچ کر رک گئے۔

غار کے دہانے پر دو آدمی اسٹین گن لئے پہرہ دے رہے تھے۔

عمران ان کی نظروں سے بچتا بچاتا ایسی جگہ پہنچ گیا کہ نہ صرف اُن کی گفتگو سن سکے بلکہ ضرورت پڑنے پر اُن پر چھلانگ بھی لگا سکے۔

ان میں سے ایک بولا۔ "چلو.... اب ہم بھی لمبی تان کر سو جائیں۔!"

"نہیں.... ہمیں نگرانی کرنی چاہئے۔ اگر کوئی ہماری کارکردگی دیکھنے ادھر آگیا تو خیر نہیں۔!" دوسری آواز آئی۔

"میں تو سوتا ہوں....!" پہلا انگڑائی لے کر بولا۔ "جسم ٹوٹ رہا ہے۔ تم جاگتے رہو۔!"

"ٹھیک ہے.... میں جاگتا رہوں گا تم سو جاؤ....!"

پہلا آدمی شائد وہیں چٹان پر لیٹ گیا۔

دوسرے آدمی نے موم بتی جلائی اور جیب سے ایک پاکٹ بک نکال کر پڑھنے لگا۔

عمران نے موم بتی کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی میں ان کی ٹامی گنیں قریب ہی رکھی دیکھ لی تھیں۔

وہ کتاب پڑھتا جا رہا تھا اور ایک نوٹ بک میں کچھ لکھتا بھی جاتا پھر وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی یروں کا جائزہ لینے لگتا تھا۔

عمران کا اندازہ تھا کہ وہ پامسٹری کی کوئی کتاب پڑھ رہا ہے۔

کتاب پڑھنے والے کا رخ عمران کی طرف نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد پہلے آدمی کے خراٹوں ں آواز آنے لگی۔ کتاب پڑھنے والا اپنے ہاتھ کی لکیروں میں اتنا منہمک تھا گویا دنیا و مافیہا سے بے بر ہو گیا تھا۔

عمران نے ایک بار پلٹ کر اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ وہ بہ آہستگی زمین پر لیٹ کر رینگتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور یونہی بے آواز رینگتا ہوا اُس آدمی کے سر پر پہنچ گیا جو پڑا سو رہا تھا۔

عمران نے اُسکی ٹامی گن اٹھائی اور اسکا دستہ زور سے سوتے ہوئے آدمی کے سر پر رسید کر دیا۔

پھر جتنی دیر میں ہاتھ کی لکیروں سے قسمت کا حال جاننے والا سنبھل کر معاملے کی نوعیت کو سمجھتا عمران ٹامی گن کا رخ اُس کی طرف کر چکا تھا۔

"ہاتھ اٹھاؤ.... گن اٹھانے کی کوشش کی تو ڈھیر کر دوں گا۔!" عمران آہستہ سے بولا۔

اُس نے گھبرا کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا جس کے خراٹے اب بند ہو چکے تھے۔

"وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا.... بے ہوش پڑا ہے۔!" عمران نے سفاک لہجے میں کہا۔

اس نے بے اختیار اپنے ہاتھ سر سے بلند کر لئے۔ جیمسن جھپٹ کر اوٹ سے نکل آیا اور اس کی ٹامی گن اٹھالی۔

"اس کے ہاتھ پشت سے باندھ دو....!"

ظفر اور زہرہ بھی اپنی کمین گاہ سے نکل آئے تھے۔

ظفر نے اپنے کاندھے پر پڑے تھیلے سے ریشم کی ڈوری نکالی اور اُس کے ہاتھ مضبوطی سے اس کی پشت سے باندھ دیئے۔

اور پھر عمران کی ہدایت پر وہ اُسے دھکیلتا ہوا غار کے اندر لے گیا۔ اتنے میں عمران دوسرے بے ہوش آدمی کو بھی کھینچتا ہوا غار کے اندر لے آیا تھا۔

موم بتی کی روشنی میں عمران نے غار کا بغور جائزہ لیا۔ غار اندر سے کافی کشادہ تھا۔

پھر اچانک عمران نے قیدی کے چہرے کے قریب موم بتی لے جاتے ہوئے کہا۔ “وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے....؟”

“کک.... کون.... سی جگہ....؟” قیدی نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

“جہاں اسلحہ اکٹھا کیا گیا ہے۔!”

“مم.... میں.... نہیں جانتا....!” قیدی نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

“پھر یہاں کس کی نگرانی کر رہے تھے....؟” عمران نے پوچھا۔

“ان پہاڑیوں کے پیچھے سے پڑوسی ملک کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرف رہ کر ہم اپنی سرحد کی حفاظت کر رہے تھے۔!”

“صرف دو آدمی....!” عمران حیرت سے بولا۔ “اور وہ بھی ملک کی سرحد کی حفاظت۔!”

“بہت سے اور بھی ہیں۔!” اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

“تم جھوٹے ہو.... اگر دو منٹ کے اندر اندر تم نے اُس جگہ کی نشاندہی نہ کی تو تم دونوں کو مار ڈالوں گا۔ وہ جگہ تو میں کسی نہ کسی طرح خود ہی معلوم کر لوں گا۔ تمہاری جان مفت میں جائے گی۔!” عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

“تم بھی.... نہیں بچ سکو گے۔!” قیدی گھبراہٹ کے ساتھ بولا۔

“ہم بچنے کے لئے آئے بھی نہیں ہیں۔!”

عمران نے موم بتی ایک جگہ رکھ دی اور ان کے تھیلے ٹٹولنے لگا۔ دو ٹارچیں تھیں اور کچھ غذا کے ڈبے وغیرہ تھے۔ ٹارچیں نکال کر اس نے ظفر کو دے دیں اور پھر ٹامی گن کا دستہ قیدی کی کمر میں مارتا ہوا بولا۔ “جلدی جواب دو.... ورنہ میں گولی مار دوں گا۔ یہ محض دھمکی نہیں ہے۔!”

عمران کے لہجے میں اس قدر سفاکی تھی کہ اس کے ساتھی بھی لرز کر رہ گئے۔

قیدی کے منہ پر ہوائیاں چھوٹنے لگی تھیں۔ “اُدھر” وہ خوف زدہ سی آواز میں ایک جانب ہاتھ اٹھا کر کراہا۔

عمران نے ٹارچ کی روشنی ادھر ڈالی۔ ایک پتلی سی دراڑ تھی۔ عمران نے ظفر کو ٹامی گن دیتے ہوئے کہا۔ “تم یہیں ٹھہرو.... میں اندر جا کر دیکھتا ہوں۔!” اس نے جیمسن کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور دراڑ کی طرف بڑھ گیا۔

دراڑ بس اتنی کشادہ تھی کہ اس میں سے ایک وقت میں صرف ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا۔

قریباً پچاس گز چلنے کے بعد وہ پہلے سے کہیں کشادہ غار میں داخل ہو گئے اور پھر غار میں داخل ہوتے ہی وہ حیرت سے اچھل پڑے۔ کیونکہ وہاں اسلحہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا۔

رائفلوں، اسٹین گنوں، ہلکی مشین گنوں اور دستی بموں کے ڈھیر ہی ڈھیر نظر آرہے تھے۔ بارود کی پیٹیوں اور ڈائنامائیٹ کے بنڈلوں کے قریب ہی کچھ ہیوی ڈیوٹی ڈرائی بیٹریاں بھی رکھی تھیں۔ بجلی کے تاروں کے بڑے بڑے لچھے بھی موجود تھے۔

وہ دونوں کچھ دیر تک ٹارچ کی روشنی میں گرد و پیش کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر عمران نے جیمسن کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ غار کے اندر بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ممکن تھا کہ کوئی ایسا انتظام غار کے اندر کیا گیا ہو کہ اُن کی آواز کہیں اور بھی سنی جا سکتی ہو۔

اتنے بڑے ذخیرے کی نگرانی صرف دو مجہول سے آدمیوں پر تو نہ چھوڑی گئی ہو گی۔

لیکن عمران کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ اس مسئلے پر الجھتا وہ پھر وہیں واپس آگئے جہاں قیدی، ظفر اور زہرہ کو چھوڑ گئے تھے۔ بے ہوش آدمی بدستور بے ہوش پڑا تھا۔

عمران نے ظفر سے کہا۔ “فی الحال ہمیں یہ بھول جانا چاہئے کہ یہاں سے زندہ بھی بچ کر نکل سکتے ہیں۔!”

“جیسی آپ کی مرضی.... آپ ساتھ ہوں تو مجھے زندگی کی پرواہ نہیں ہوتی۔!”

“جتنی جلدی ہو سکے اسلحہ کا ذخیرہ تباہ کر دینا چاہئے۔ ایک ایک چیز پر ہماری فیکٹریوں کے ٹریڈ مارک اور کچھ دوسرے مخصوص نشانات موجود ہیں۔ جانتے ہو یہ یہاں کیوں ذخیرہ کیا گیا ہے؟”

“آپ ہی بتائیے....!” ظفر الملک پُر تشویش انداز میں بولا۔

“یہ ہتھیار ہمارے پڑوسی ملک کو اسمگل کئے جائیں گے۔!”

“خدا کی پناہ....!” ظفر حیرت سے بولا۔

“آؤ.... کام شروع کر دیں.... ذخیرہ تباہ کرنے کے لئے ہر چیز غار میں موجود ہے۔!”

اس بار عمران نے جیمسن کو قیدیوں کی نگرانی کے لئے غار میں چھوڑا اور ظفر کو ساتھ لے کر دراڑ کے ذریعے اس غار میں داخل ہوا جہاں ہتھیاروں کا ذخیرہ تھا۔

عمران نے تار کا لچھا اٹھایا اور اُس کے ایک سرے کو ڈائنامائیٹ سے اٹیچ کر کے بارود کی پیٹیوں اور بموں کے درمیان رکھ دیا اور پھر ڈرائی بیٹری کو اٹھا کر تار کے دو لچھے بل کھولتا ہوا جسے اُس نے ڈائنامائیٹ سے اٹیچ کر دیا تھا۔ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھنے لگا۔

قیدی سمیت سب باہر نکل آئے تھے۔

جیمسن اور زہرہ کاؤس اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ غار سے نکل کر عمران تار بچھاتا ہوا ایک طرف بڑھنے لگا۔ ایک لچھے کا تار ختم ہونے پر اُس نے دوسرا لچھا اس میں جوڑ دیا تھا۔ اسی طرح تیسرا لچھا بھی ختم ہو گیا تھا۔

عمران کے اندازے کے مطابق وہ ہتھیاروں والے غار سے تقریباً ڈھائی تین فرلانگ کے فاصلے پر نکل آئے تھے۔

”کیا اتنا فاصلہ کافی ہو گا جان بچانے کے لئے۔!“ جیمسن بولا۔

”شائد.... کیونکہ وہ جگہ نشیب میں ہے اور ہم چڑھائی کی طرف آئے ہیں۔ یوں تو وہاں تاروں کے اور بھی لچھے موجود ہیں لیکن میں دیر نہیں کرنا چاہتا۔ جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ تم لوگ یہیں ٹھہرو اور ہاں قیدی کا منہ نہ کھلنے پائے۔ ٹیپ چپکا دو تاکہ حلق سے ذرا سی آواز بھی نہ نکال سکے۔ میں غار میں بے ہوش پڑے آدمی کو اٹھا لاؤں۔ اُسے یوں مرنے نہیں دوں گا۔!“

عمران غار کی طرف چل دیا۔

جیمسن اور ظفر الملک قیدی اور زہرہ کاؤس کی حفاظت کرتے ہوئے وہیں بیٹھے رہے۔ ان کی زندگی میں اس سے زیادہ ہولناک رات پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ ان کے جسم پسینے سے بھیگ رہے تھے۔

وقت ٹھہرا ہوا لگ رہا تھا۔ ہر ایک کو اپنے دل کی دھڑکن سینے کی بجائے کانوں میں محسوس ہو رہی تھی۔

جیمسن کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہاں بیٹھے بیٹھے صدیاں بیت گئی ہوں۔

عمران کی واپسی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ چاروں خاموش بیٹھے اس راہ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تک رہے تھے جس پر عمران آتا ہوا دکھائی دینا چاہیے تھا۔

تاریکی زیادہ تھی اور ٹارچ روشن کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ عمران بے ہوش آدمی کو کاندھے پر لاد کر لایا اور پھر اُسے اس کے ساتھی کے برابر ہی لٹا دیا تھا۔

عمران نے اُن سب کو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینے کی ہدایت کی۔

قیدی کے ہاتھ چونکہ بندھے ہوئے تھے اس لئے عمران نے تھیلے میں سے ایک رومال نکال کر پھاڑا اور اُس کے ٹکڑے قیدی کے کانوں میں ٹھونس دیئے اُن سب نے اپنے اپنے رومال بھی دانتوں میں دبا لئے تھے۔

پھر عمران نے اُن کو ہدایت کی کہ تقریباً دس گز پیچھے ہٹ کر اوندھے لیٹ جائیں سب نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ پھر اچانک وہ قیامت خیز دھماکہ ہوا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پہاڑ اور زمین دونوں مل کر ہل رہے ہوں۔ بڑے بڑے پتھروں کے لڑھکنے کی آواز آ رہی تھی۔ آنچ ایسی تھی جیسے جہنم کی کھڑکیاں کھول دی گئی ہوں۔ ہلکے بھاری دھماکے ہوتے ہی چلے جا رہے تھے۔ انہیں گرم ہوا کے بھبکے محسوس ہوئے اور پھر کثیف دھوئیں کا زبردست ریلا آیا۔ وہ بُری طرح کھانسنے لگے۔

”کوئی محفوظ جگہ تلاش کرو.... ورنہ جھلس کر رہ جائیں گے۔!“ عمران پیٹ کے بل آگے سرکتا ہوا بولا۔

”م.... میں.... جگہ بتاؤں گا....!“ قیدی جلدی سے بولا۔

”ہاں.... جلدی کرو.... ایسا نہ ہو کہ کوئی ہماری تلاش میں نکل کھڑا ہو۔!“ عمران نے ہلکے ہلکے کھانستے ہوئے کہا۔

”بستی سے الگ ایک جگہ ہے۔ غاروں میں۔!“ قیدی نے انکشاف کیا۔

”کیا تم ہمیں وہاں تک پہنچا سکتے ہو....؟“ عمران نے کہا۔ ”اگر ہم سب بچ گئے تو یقین کرو کہ تمہیں سرکاری گواہ بنا کر معافی دلوا دوں گا۔!“

”میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو.... اور تمہارے اختیارات کیا ہیں۔ البتہ میں تمہیں وہاں ضرور لے چلوں گا۔!“

اچانک انہوں نے ہیلی کوپٹر کی آواز سنی۔

”چپ چاپ لیٹے رہو....!“ عمران سر اٹھا کر بولا۔ ”اس ملک کے سرحدی محافظ ہوں گے۔ ہم پر ان کی نظر نہ پڑے تو اچھا ہے۔!“

دھماکے والی جگہ پر اب بھی دھواں مسلط تھا۔

ہیلی کوپٹر نے دو تین چکر لگائے اور پھر پروں کو پھڑ پھڑاتا ہوا ایک طرف روانہ ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہ چھپتے چھپاتے اس جگہ سے نکلے اور قیدی کی راہ نمائی میں ایک طرف چل پڑے۔

ایک بار پھر ہیلی کوپٹر کی آواز آئی تھی۔ شائد سرحدی محافظ پوری طرح حرکت میں آگئے تھے۔ اب کی بار دو ہیلی کوپٹر آئے تھے اور ان کے پائلٹوں کو غالباً لینڈ کرنے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش تھی۔

عمران کی چھٹی حس بیدار ہو گئی تھی۔ وہ سب بڑی تیزی سے نشیب میں اترنے لگے تھے۔ سطح زمین پر پہنچ کر انہوں نے باقاعدہ دوڑ لگا دی تھی۔ ہیلی کوپٹر اُس چٹان پر پہنچ کر معلق ہو گئے جہاں کچھ دیر پہلے وہ سب موجود تھے۔ پھر ایک ہیلی کوپٹر سے مشین گن کی فائرنگ سنائی دینے لگی۔

انہوں نے دوبارہ دوڑنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر تک اسی چٹان پر فائرنگ ہوتی رہی۔ لیکن ہیلی کوپٹروں نے لینڈ نہیں کیا تھا۔

پھر اچانک فائرنگ بند ہو گئی اور ہیلی کوپٹروں کی آواز بھی بتدریج دور ہوتی چلی گئی۔

دوڑتے دوڑتے سب ایک جگہ گر کر ہانپنے لگے۔

جب ذرا حواس بجا ہوئے تو قیدی بولا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ اس طرح لے چلوں گا کہ کسی کی بھی نظر نہیں پڑے گی۔!"

پھر وہ ایک گھنٹے کے بعد اس غار تک پہنچ گئے تھے جس کا حوالہ قیدی نے دیا تھا اور غار میں حلئے تبدیل کرنے کے بعد صبح ہونے سے پہلے پہلے آبادی کی طرف روانہ ہو گئے۔

* * *

مغربی کنارے سے مشرقی کنارے تک بس پانی ہی پانی تھا۔ جھیل "بیکراں" جھیل کیا تھی سمندر میں ایک ذیلی سمندر لگتی تھی۔

جھیل کے مغربی کنارے پر بے شمار کشتیاں دن بھر آتی جاتی رہتی تھیں۔ اس جھیل میں ماہی گیری بھی ہوتی تھی۔ لیکن مغربی کنارے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک صرف ایک ہی اسٹیمر کی اجارہ داری تھی۔ اس اسٹیمر کا عملہ دس افراد پر مشتمل تھا۔ یہ افراد جب عیش کرنے "ہوٹل برائٹ اسٹار" میں آتے تو روپیہ اس طرح بہاتے تھے گویا جھیل سے سونے کی مچھلیاں

پکڑتے ہوں۔ آج بھی یہ سب افراد "ہوٹل برائٹ اسٹار" میں صبح تک دادِ عیش دینے آئے ہوئے تھے۔ اسٹیمر پر صرف ریڈیو آپریٹر ہی رہ گیا تھا۔

صبح سے شام ہو گئی۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ ساحلی تفریح گاہ پر چہل پہل بڑھ گئی تھی۔ آج کی ٹیم کا سربراہ جوزف تھا۔

جوزف کی سرکردگی میں جیمسن، ظفر الملک اور زہرہ اندھیرا پھیلنے کے بعد چل پڑے تھے۔

یہ سب جھیل کے کنارے کنارے دو ڈھائی فرلانگ تک چلنے کے بعد ایک کٹاؤ کے قریب پہنچے جہاں ایک خاص قسم کی لانچ لنگر انداز تھی۔ وہ لانچ میں سوار ہو گئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد لانچ کھلے پانی میں نکل آئی تھی اور اسٹیرنگ جیمسن کر رہا تھا۔ زہرہ ان کے ساتھ آ تو گئی تھی مگر وہ کسی قدر خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ زیادہ باتیں نہیں کر رہی تھی۔ دراصل اس کو کاؤس کی طرف سے تشویش تھی۔ اُس نے کئی بار ان سب سے آئندہ پروگرام معلوم کرنے کی کوشش کی مگر سب نے لاعلمی کا اظہار کر دیا تھا اور نہ ہی یہ بتایا تھا کہ وہ جھیل میں لانچ کیوں دوڑا رہے ہیں۔

زہرہ بار بار یہی سوچ رہی تھی کہ اُسے کاؤس کے ساتھ رہنا چاہئے تھا۔ اپنا پھر اپنا ہی ہوتا ہے۔ لیکن اب تو لانچ چل پڑی تھی۔

رات تاریک اور خنک تھی۔ اتنی ٹھنڈک بہر حال تھی کہ لانچ کے عرشے پر پڑا آدمی ٹھٹھر کر رہ جائے۔ لیکن یہ جوزف تھا جس پر اتنی ٹھنڈ کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ جوزف عرشے پر اوندھا پڑا تھا اور ظفر الملک اور زہرہ کیبن میں تھے۔

جوزف رکھوالی کرنے والے کتے کی طرح چوکنا ہو کر چاروں طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ تاریکی کچھ زیادہ ہی تھی۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ اس کی توجہ کا مرکز قریب ہی سے گذرنے والی ایک چھوٹی سی بادبانی کشتی تھی۔ کچھ دور جا کر کشتی پھر اسی جانب مڑی اور آہستہ آہستہ ان کی لانچ کی طرف بڑھنے لگی۔

کشتی ایک بار پھر اُن کی لانچ کے قریب سے گزر گئی۔

جوزف کی لانچ کے برابر ہی دو لانچیں اور بھی تھیں۔ ان کے بعد تھوڑی سی جگہ خالی تھی۔

اُس خالی جگہ کو بادبانی کشتی نے پُر کردیا تھا۔ کشتی میں دو آدمی تھے۔ اس کا اندازہ جوزف کو اندھیرے میں بھی ہو گیا تھا۔

ٹھیک اسی وقت جوزف نے کسی اور لانچ کے اُسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تھی۔ پھر اسی سائڈ سے ایک لانچ نے ڈوک چھوڑا تھا۔ جہاں اس نے بادبانی کشتی دیکھی تھی۔ لانچ کا رخ شمال مغرب کی طرف تھا۔ اُس کا ہیولیٰ نظروں سے اوجھل ہوا ہی تھا کہ بادبانی کشتی بھی آہستہ آہستہ اُدھر ہی روانہ ہوئی جدھر لانچ گئی تھی۔

جوزف تیزی سے اُس جگہ پہنچا جہاں جیمسن موجود تھا۔ اُس نے جیمسن سے کہا۔ ”شائد ہمارا تعاقب شروع ہو گیا ہے۔ تم وہیل پر ہی رہو۔ میں سنبھالوں گا انہیں۔ بس سیدھے نکل چلو۔ باس نے مجھے پورے سمندر کا نقشہ گھول کر پلا دیا ہے۔ اس لانچ پر سرخ لائٹ لگی ہے۔ ہو سکتا ہے انہیں کچھ شبہ ہو گیا ہو۔!“

جوزف رائفل اٹھا کر لانچ کے پچھلے حصے میں آگیا۔ ابھی دونوں لانچوں کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ سرچ لائٹ کی شعاعیں جوزف کی لانچ کے اوپر سے گذر رہی تھیں۔ لانچ گردش کرنے والی روشنی کی زد میں نہیں آرہی تھی۔ پھر جیسے ہی موقع آیا جوزف نے سرخ لائٹ پر فائر کردیا۔ جوزف کا نشانہ تھا۔ غلط ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

سرچ لائٹ کی روشنی غائب ہو چکی تھی۔

”بس تم اسی رفتار سے چلتے رہو۔!“ جوزف نے جیمسن کے پاس آکر کہا۔

زہرہ اور ظفرالملک بھی کیبن سے نکل کر جیمسن اور جوزف کے پاس ہی آگئے۔ زہرہ کاؤس کے چہرے پر خوف کے آثار گہرے ہو گئے تھے۔ ابھی ان کی لانچ کچھ ہی دور گئی ہو گی کہ اچانک سرچ لائٹ پھر روشن ہو گئی۔

”اُوہ.... شائد دوسری لانچ آرہی ہے۔!“ جوزف بڑبڑایا۔ اس نے رائفل سنبھال لی تھی۔ جیسے ہی دوسری لانچ زد پر آئی اُس نے فائر کردیا۔ روشنی پھر غائب ہو گئی۔ اس بار ادھر سے بھی فائر ہوئے تھے۔

”اگر آج زندہ بچ گئے.... تو صبح تمہارے ہاتھ چوم لوں گا۔ کیا صحیح نشانہ لگاتے ہو۔!“ جیمسن نے جوزف سے کہا۔

”لہراتے ہوئے چلو....!“ جوزف بولا۔

جیمسن وھیل کو الٹی سیدھی گردش دینے لگا۔

جوزف بدستور رائفل سنبھالے رہا۔ مگر پھر روشنی دکھائی نہ دی۔ شائد وہ واپس چلے گئے تھے۔ اندھیرے میں جھک مارنے سے فائدہ بھی کیا تھا....؟

”لیکن ہم جائیں گے کہاں....؟“ ظفر نے پوچھا۔

”فی الحال یوں ہی چلتے رہیں گے۔ اگر کہیں لانچ چھپانے کی جگہ مل گئی تو لانچ وہیں لے جائیں گے۔!“ جوزف نے جواب دیا۔

”تم لوگ اپنی جانیں بچانے کی کوشش کرو اس جھیل میں کہیں نہ کہیں مار ڈالے جاؤ گے۔ جس لانچ پر انہیں شبہ ہو جاتا ہے اُسے غرق کر دیتے ہیں۔“ زہرہ پُر تشویش لہجے میں بولی۔

”مسی تم فکر نہ کرو۔!“ جوزف نے اسے اطمینان دلایا۔

”کیسے نہ کروں.... تم لوگ میری ہی جان بچانے کے لئے اس چکر میں پڑ گئے ہو۔ تھوڑی دیر میں اسٹیمر بھی حرکت میں آجائے گا۔!“ زہرہ بولی۔

”آنے دو.... ہم آسانی سے غرق ہو جانے والے نہیں ہیں۔!“ ظفر بولا۔

”تم اس اسٹیمر کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو۔ کئی ہلکی توپیں اس پر موجود ہیں۔ ایک نشست والا چھوٹا ہیلی کوپٹر بھی ہے۔!“

”اُوہ.... تب تو جلدی ہی کرنی چاہئے ورنہ اگر انہوں نے ہیلی کوپٹر کی سرچ لائٹ استعمال کر ڈالی تو مار ہی لئے جائیں گے۔!“ جیمسن نے لانچ کی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔

”یہ تم لوگوں کے پروفیسر کہاں رہ گئے....؟“ اچانک زہرہ نے سوال کیا۔

”مرضی کے مالک ہیں.... جہاں چاہتے ہیں رہ جاتے ہیں۔!“ جوزف بولا۔ زہرہ انگریزی سمجھ اور بول سکتی تھی۔ جوزف اُس سے انگریزی میں ہی بات چیت کرتا تھا۔

”وہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئے۔!“ زہرہ بولی۔

”وہ تو آج تک ہماری بھی سمجھ میں نہیں آئے۔!“ ظفرالملک بولا۔ ”تم اُن کو سمجھنے کی فکر نہ کرو ورنہ کاؤس جی سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔!“

”کاؤس پر تو انہوں نے جادو کردیا ہے۔!“ زہرہ بولی۔

"بلکہ تم سب ہی بڑے عجیب ہو۔ جو بظاہر نظر آتے ہو بہ باطن نہیں ہو۔!"

"ہم سب تو بظاہر اُلو نظر آتے ہیں۔!" جیمسن جل کر بولا۔

زہرہ ابھی جواب نہیں دے پائی تھی کہ جوزف نے اُسے خاموش کر دیا۔

"ہوشیار ہو جاؤ.... میں ہیلی کوپٹر کی گڑگڑاہٹ سن رہا ہوں۔!" جوزف بولا۔

"مجھے تو سنائی نہیں دے رہی۔!" زہرہ بولی۔

"دور ہے۔!" جوزف بولا۔ "اب تم وھیل چھوڑ دو.... میں لانچ سنبھالوں گا۔!"

وھیل پر جوزف آگیا اور دفعتاً لانچ کا رخ بھی بدل گیا۔

لانچ کی رفتار برائے نام رہ گئی تھی۔ انجن کی آواز ایسی لگ رہی تھی جیسے کسی بند جگہ میں گونج رہی ہو۔

لانچ ایک جگہ رک گئی۔

"خدا کی پناہ.. یہاں تو اتنا اندھیرا ہے۔!" زہرہ بولی۔ اس کی آواز میں خوف کا عنصر نمایاں تھا۔

"ہم کھلے آسمان کے نیچے نہیں ہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ ایک بڑے سے غار میں ہیں۔ جس میں جھیل کا پانی بھرا ہوا ہے۔ اس وقت لانچ کو چھپانے کے لئے قریب ترین جگہ یہی ہے۔!" جوزف نے وضاحت کی۔

"اگر اُن کو اس جگہ کا علم ہوا تو چوہے بل میں ہی مار ڈالے جائیں گے۔!" جیمسن نے کہا۔

"گھٹن بھی بہت ہے۔!" ظفر بڑبڑایا۔

"خاموش.... سنو.... ہیلی کوپٹر....!" جوزف بولا۔

ہیلی کوپٹر کی گرج قریب ہو کر پھر دور ہوتی چلی گئی۔ ہیلی کوپٹر سے روشنی نیچے نہیں ڈالی گئی تھی۔

وہ سب بالکل خاموش تھے۔

"آج بچ نہیں سکیں گے۔!" زہرہ روہانسی آواز میں بولی۔

"بچ گئے.... اب ہمارا کوئی کیا بگاڑے گا۔!" جیمسن بولا۔

دفعتاً ہیلی کوپٹر کی گرج پھر سنائی دی۔

"ناممکن.... وہ ہمیں تلاش کئے بغیر ہرگز نہیں مانیں گے۔!" زہرہ مایوسی سے بولی۔

اس بار انہیں کٹاؤ کے دہانے کے قریب روشنی نظر آئی تھی اور ہیلی کوپٹر کی گذرتی ہوئی آواز کے ساتھ ہی یہ روشنی بھی غائب ہو گئی۔

"یہ غالباً اسٹیمر کی طرف گیا ہے۔!" زہرہ بڑبڑائی۔

"ہو سکتا ہے پائیلٹ کو غار کا دہانہ نظر آگیا ہو۔!" ظفر نے کہا۔

"اب فوراً یہاں سے کھسک لینا چاہئے۔!" جیمسن نے کہا۔

"لانچ میں کتنا ایندھن ہے....؟"

"ایندھن کی فکر نہ کرو.... بہت ہے.... اسے معمولی لانچ مت سمجھو....!" جوزف بولا۔

ہیلی کوپٹر بہت دور جا چکا تھا۔

لانچ کا انجن اسٹارٹ ہوا اور وہ دھیرے دھیرے کھلی فضا میں سرک آئی۔ اب اس کا رخ دوسری طرف تھا۔ خاصی تیز رفتاری سے وہ آگے بڑھتی رہی۔

"ہم کب تک سمندر نوردی کریں گے....؟" جیمسن نے جوزف سے سرگوشی میں پوچھا۔

"جب تک باس کا سگنل موصول نہ ہو۔!" جوزف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اوہ.... تو آج کی رات سمندر میں جنگ و جدل ہو گی۔!" جیمسن بولا۔

جوزف نے کوئی جواب نہیں دیا۔

◆

اسلحے کے ذخیرے کی تباہی کے بعد اسکیم میں تھوڑی سی تبدیلی آگئی تھی۔

اسلحے کی آخری کھیپ آج رات ہی بحری جہاز "شر گل" سے اسٹیمر پر منتقل کر کے لانچوں پر بار کرنا تھی۔

وہ دونوں انجن روم میں تھے۔ اسٹیمر سمندر کا سینہ چیرتا ہوا ایک سمت میں بڑھا جا رہا تھا۔

اسٹیمر پر اُن دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا فرد موجود نہیں تھا۔ ان میں سے ایک ریڈیو آپریٹر تھا اور دوسرا اسٹیمر کو چلا رہا تھا۔

"یار عجیب آدمی ہو.... میرا ذہن ہی بدل کر رکھ دیا تم نے تو۔!" اُن میں سے ایک بولا۔

"ارے نہیں... میں بھلا کیا؟" دوسرے نے انکسار سے کہا۔ "تمہاری اپنی ہی مٹی نم تھی۔!"

"لیکن آخر ہم دو آدمی کیا کر سکیں گے۔!" دوسرا بولا۔ "تم یہ بتاؤ کہ اس "آخری آدمی" کے بارے میں کچھ جانتے ہو....؟"

"میں صرف اُس سیاستدان کے بارے میں جانتا ہوں۔ جس کے سر پر بقول تمہارے تاج

رکھا جانے والا ہے۔!“

”کیا وہ ہمیشہ ہی اسلحہ کی کھیپ کے ساتھ آتا ہے.... ؟“

”نہیں.... صرف آج کی رات ایسا ہوا ہے۔ دراصل وہ شخص جو اس آپریشن کا سربراہ ہے وہ بہ نفس نفیس سیاستدان کو تاج پہنانے آرہا ہے۔ پہلے تو اسکیم یہی تھی کہ اسلحہ اور وہ دونوں ایک ساتھ ہی اسٹیمر پر منتقل کئے جائیں۔ مگر ذخیرے کی تباہی نے شائد انہیں اپنی اسکیم میں تبدیلی پر مجبور کیا ہے۔ اب اسٹیمر کے ذریعے پہلے اُن دونوں کو اکیلے ہی ساحل تک پہنچانا ہوگا۔ ”شرگل“ سے اسلحہ بھی بعد میں اتارا جائے گا۔ ساحل پر ایک بند وین پہلے ہی سے موجود ہوگی۔ جو اُن دونوں کو نامعلوم منزل کی طرف لے جائے گی۔ اسٹیمر مجھے خود ہی چلا کر لے جانا تھا۔!“

”اسٹیمر پر صرف دو آدمی دیکھ کر وہ شبہ نہیں کرے گا؟“

”اُسی کا حکم تھا کہ اسٹیمر کے پورے عملے کو آج رات چھٹی دے دی جائے۔ صرف مجھے ہی اسٹیمر پر موجود رہنا تھا۔ البتہ مسئلہ تمہارا ہے۔!“ وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”پرواہ مت کرو.... میں اپنا انتظام خود کرلوں گا۔!“

”پروفیسر.... آدمی سے زیادہ درندہ کوئی اور بھی ہے؟ آخر اسے اشرف کس وجہ سے کہا جاتا ہے؟ یہ تو درندگی کو بھی پیچھے چھوڑ گیا ہے۔!“

”یہی اس کے اشرف ہونے کی علامت ہے کہ جب اٹھتا ہے تو اتنا اٹھتا ہے کہ ولی ہو جاتا ہے اور گرتا ہے تو اتنا گرتا ہے کہ کوئی انتہا نہیں رہتی۔!“

”ٹھیک کہتے ہو.... انسان جس قدر بھی انسان نظر آرہا ہے وہ صرف اسی وجہ سے نظر آرہا ہے کہ اُس کے مقابل ایک ایسی مخلوق بھی موجود ہے جو اُسے اشرف بنائے رکھنے پر بضد ہے۔!“

”اُس مخلوق کا نام نہ لو.... درندہ بنانے والی بھی وہی ہے۔!“

”کچھ بھی کہو پروفیسر.... مجھے تو اس تاریکی سے نکالنے والی وہی ہستی ہے یا پھر تم ہو۔ ورنہ میرا بیڑہ غرق ہونے میں کیا کسر رہ گئی تھی؟ اگر آج کی رات جان بچ گئی تو باقی ساری زندگی ملک کی خدمت میں گذار دوں گا۔!“

دوسرے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں مستغرق تھا۔

اسٹیمر آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

چاروں اطراف اعصاب شکن سناٹا چھایا ہوا تھا۔

اچانک اسٹیمر کی رفتار میں کمی آنا شروع ہوگئی۔ کیونکہ اسٹیمر کے اردگرد بہت سی لانچیں بڑھ ہی تھیں۔

لانچیں ابھی اسٹیمر سے دور تھیں مگر احساس ہوتا تھا کہ وہ اسٹیمر کے گرد گھیرا ڈال رہی ہیں ر آہستہ آہستہ یہ گھیرا تنگ ہوتا جا رہا ہے۔

اسٹیمر کے ریڈیو آپریٹر نے اندر کی سب روشنیاں بجھادیں صرف ایک ہیڈلائٹ جل رہی تھی۔

سمندر خاموش اور بے شکن تھا۔

ایک خاص حد تک جا کر لانچیں رک گئیں اور اسٹیمر بڑھتا رہا۔ آخر قریباً پندرہ منٹ کا سمندری سفر طے کرنیکے بعد وہ ایک بحری جہاز سے کچھ فاصلے پر رک گیا۔ یہ بحری جہاز ”شرگل“ تھا۔

اسٹیمر سے ایک خاص قسم کا اشارہ کیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جہاز سے بھی جواب میں مخصوص اشارہ دیا گیا۔

اس کے بعد اسٹیمر آہستہ آہستہ حرکت کرتا ہوا جہاز سے جا کر جڑ گیا۔

ریڈیو آپریٹر جمپ لگا کر جہاز کے عرشے پر پہنچ گیا۔

قریباً نصف گھنٹے بعد اُس کی واپسی ہوئی تو وہ تنہا نہیں تھا اس کے ساتھ دو آدمی بھی تھے۔ ایک اپنے پیروں پر چل کر اس کے ساتھ آیا تھا اور دوسرا وہیل چیئر پر بیٹھ کر.... یہ ایک خاص قسم کی وہیل چیئر تھی جسے آپریٹر خود دھکیل کر لا رہا تھا۔ دوسرا آدمی بڑے مؤدب انداز میں وہیل چیئر کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

کرسی نشین کی خواہش پر اُس کی چیئر کھلے عرشے میں رکھی گئی تھی۔

ریڈیو آپریٹر بھی مؤدب انداز میں اُس آدمی کے سامنے کھڑا تھا۔

”یہ کون ہے....!“ کرسی نشین کے ساتھ آنے والے نے کہا۔

”معتبر آدمی ہے۔ گونگا اور بہرہ ہے۔ اسٹیمر چلانے کے لئے ساتھ لے آیا ہوں۔ میرے دونوں شانوں میں شدید تکلیف تھی۔!“ ریڈیو آپریٹر نے جواب دیا۔

کرسی نشین ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ اُس کی آنکھوں پر رات میں بھی تاریک شیشوں کی عینک لگی ہوئی تھی۔ پیروں پر موٹی سی قیمتی چادر پڑی ہوئی تھی جس سے پیٹ سے لے کر نیچے تک

ڈھک گئے تھے۔ اُس کے زانوؤں پر رکھے ہوئے دونوں ہاتھ چادر سے ڈھکے ہوئے تھے۔

ریڈیو آپریٹر اس شخص کے سامنے گھبرایا گھبرایا سا لگ رہا تھا۔

اسٹیمر نے واپسی کا سفر شروع کر دیا اور پھر ایک خاص پوائنٹ پر آکر رک گیا۔

"یہاں کیوں روکا ہے....؟" وہیل چیئر والے کے ساتھی نے چونک کر پوچھا۔

"آگے خطرہ ہے....!" ریڈیو آپریٹر بولا۔

"کیسا خطرہ....؟" وہ آدمی بولا۔

"راستہ کلیئر نہیں ہے.... کچھ لانچوں نے اسٹیمر کا تعاقب کیا تھا ہو سکتا ہے وہ لانچیں بحری فوج کی ہوں۔!"

"بکواس....!" وہ آدمی تنک کر بولا۔ "اسٹیمر میں کیا ہے جو ہمیں خطرہ ہو گا۔!"

"یہ بھی ٹھیک ہے....!" ریڈیو آپریٹر بولا۔ "ہمارے پاس کوئی غیر قانونی چیز تو ہے نہیں۔!"

"بڑھاؤ اسٹیمر.... ہمیں اپنی منزل مقصود پر فوراً پہنچنا ہے۔!" وہ آدمی بولا۔

"اسٹیمر پھر بھی نہیں چلے گا۔!" ریڈیو آپریٹر سنجیدگی سے بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ آدمی غصے سے بولا۔ "تم ہوش میں ہو یا نہیں؟ باس کی موجودگی میں یہ گستاخی۔!"

"میں کسی باس کو نہیں جانتا.... صرف تمہیں جانتا ہوں۔ تمہارے کہنے سے اور تمہاری دوستی میں ہتھیاروں کی اسمگلنگ کے لئے آمادہ ہو گیا تھا۔ پیارے کامریڈ.... اسمگلنگ اور غداری میں بہت فرق ہوتا ہے۔!" ریڈیو آپریٹر بولا۔

"کک.... کیا.... تم....!" اس کی آنکھوں میں حیرت جاگ اٹھی۔

"ہاں میں.... تم سے دھوکہ کھا گیا تھا۔ میں اپنے ملک کا غدار نہیں ہوں۔!"

"اسمگلنگ ملک کی خدمت ہے....؟" وہ جل کر بولا۔

"خدمت نہیں تو غداری بھی نہیں.... اور اسمگلنگ پر بھی تم نے ہی لگایا تھا۔ دیکھو کامریڈ میری بیوی مجھے مل گئی ہے اور اُس نے جو کچھ تمہارے عزائم کے بارے میں بتایا ہے میں اس میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔!"

"تم سمجھتے ہو کہ ہم سے غداری کر کے بچ جاؤ گے....؟ ہرگز نہیں.... تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔!" وہ دانت پیس کر بولا۔

"پہلی حکومت کی بھی یہی غلطی تھی کہ اس نے تمہیں بہت چھوٹ دی اور اس حکومت کی ی یہی غلطی ہے کہ تم سے چشم پوشی کی۔!" ریڈیو آپریٹر بولا۔

"بکواس بند کرو....!" وہ پیر پٹخ کر بولا۔ "چھوٹ ہم نے حکومت کو دے رکھی ہے۔ ورنہ ب چاہیں اس کا تختہ الٹ دیں۔!"

"ان جیسے معذوروں کے بل بوتے پر....!" ریڈیو آپریٹر مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہیل چیئر والے کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے ہنس کر بولا۔

"میں تمہاری زبان بند کر دوں گا اگر باس کی شان میں گستاخی کی۔!" وہ نتھنے پھلا کر بولا۔

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تو صرف تمہارے جذبے کی گہرائی ناپ رہا تھا۔ ورنہ س حکومت سے بہت سارے نالائق ناخوش ہیں کوئی غیرت مند قوم اسے برداشت نہیں کر سکتی لہ انگریزوں سے نجات پانے کے باوجود ابھی تک سفید فاموں کے درروں پر سجدے کرتی رہے۔!"

"تم حد سے بڑھ رہے ہو کاؤس.... تمہیں مرنا پڑے گا۔!" وہ دانت پیس کر بولا۔

"کامریڈ.... میری ایک بات کا جواب دو....!"

"جلدی بکو....!"

"اگر باس کی وفاداری سے ملک کا تخت و تاج مل سکتا ہے تو تم میں کیا سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔ یہ تاج میں ہی کیوں نہ پہنوں۔!" ریڈیو آپریٹر چڑانے والے انداز میں بولا۔

وہیل چیئر والا ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا۔

وہ اپنی جگہ پر ساکت و جامد بیٹھا ریڈیو آپریٹر کو گھورے جا رہا تھا۔

"کامریڈ.... تم اول درجے کے نمک حرام ہو۔!" آپریٹر پھر بولا۔ "تم اپنے دوستوں کے ساتھ بھی دغا کرتے ہو۔ جس برتن میں کھاتے ہو اُسی میں چھید کرتے ہو.... ایک ہفتہ پیشتر تم نے ایک ایسے ملک کا خفیہ دورہ کیا ہے جس کی پالیسیاں ہمارے ملک کے خلاف ہیں.... تم نے اُن سے درپردہ معاہدہ کیا ہے کہ اگر تم برسر اقتدار آگئے تو اس علاقے میں اُن کا فوجی اڈہ قائم کر دو گے جس کے خواب وہ بہت طویل عرصے سے دیکھ رہے ہیں اور اس ملک نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تمہیں برسر اقتدار لانے میں حتی الامکان مدد دیں گے۔" یہ کہہ کر آپریٹر اچانک کرسی نشین سے مخاطب ہوا۔ "بولو.... کرنل.... کیا تمہیں کامریڈ کی اس کمینگی کا علم ہے؟"

ریڈیو آپریٹر کی زبان سے نکلنے والے الفاظ.... الفاظ نہیں تھے۔ گویا بم تھے۔ کرسی نشین اپنی جگہ پر اچھل کر رہ گیا۔

”کون ہو تم....؟“ کرسی نشین نے پہلی بار زبان کھولی اور حیرت سے پوچھا۔

”وہی آپ کا پرانا خادم....!“

یہ کہہ کر ریڈیو آپریٹر نے اپنے چہرے پر سے خول اتار دیا اور اندر سے عمران کا حماقت آمیز چہرہ نکل آیا۔

”تت.... تم....!“ کرسی نشین حیرت سے بولا۔

”جی.... میں....!“ عمران سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے بولا۔ ”میں کرنل ہوریشیو کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اب آپ بھی اپنے چہرنے پر سے خول اتار دیجئے۔ کامریڈ کیا جانے کہ ہم دونوں تو پرانے واقف کار ہیں.... پھر یہ بے چارہ تو تمہیں شاید پوری طرح جانتا بھی نہیں ہوگا۔!“

کامریڈ عمران کو دیکھ کر بُری طرح چونک پڑا اور پھر کرنل ہوریشیو سے اُس کی گفتگو سن کر ایک طرف کو بھاگا اور یہی اس کی غلطی تھی۔ کرنل ہوریشیو کا اڑتا ہوا خنجر اُس کی کمر میں پیوست ہو گیا۔ ایک دلدوز چیخ سے پورا ماحول مرتعش ہو کر رہ گیا تھا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا تھا کہ عمران کسی قسم کی مداخلت نہ کر سکا۔ وہ جانتا تھا کہ کرنل ہوریشیو ایک ماہر خنجر باز ہے۔ پیچھے دیکھے بغیر بھی صحیح نشانے پر خنجر پیوست کر سکتا ہے۔

”کرنل.... تم اب تک اُتنے ہی منتقم ہو جتنے پہلے تھے۔ کامریڈ کو تم نے صرف اس وجہ سے قتل کیا ہے کہ وہ تمہارے علم میں لائے بغیر ایک خفیہ معاہدہ کر چکا تھا۔!“

”میرا یہ خیال غلط نہیں ہو سکتا کہ تم ہی ایکس ٹو ہو۔!“ اچانک کرنل ہوریشیو بولا۔

”یہی سمجھتے رہو.... کیا فرق پڑتا ہے۔!“ عمران لاپرواہی سے بولا۔ ”البتہ تمہاری یہ سمجھ بالکل غلط تھی کہ تم میرے ملک میں بغاوت کرانے کے اقدامات کرتے رہو گے اور مجھے خبر نہ ہوگی۔ میں نے تمہارا فائل پڑھا تھا اور اُسی میں جیل سے تمہارے فرار ہونے کا طریقہ درج تھا۔ اسی وقت سے میں تمہاری راہ میں لگ گیا تھا۔ تم چھوٹے چھوٹے جرائم میں الجھا کر مجھے اس علاقے سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ مگر تمہارے آدمی بڑے ناکارہ ثابت ہوئے۔ مجھے الجھا نہ سکے.... اور جس شخص کے سر پر تم سہرا باندھنے آئے تھے وہ پرلے درجے کا نمک حرام تھا۔ لیکن تم سے گٹھ جوڑ کرنے کے لئے اپنے ملک کا نمک حرام ہونا تو ضروری تھا۔ غلط کہہ رہا ہوں کیا۔!“

”دراصل قتل تمہیں کرنا چاہئے تھا۔!“ کرنل دانت پیس کر بولا۔

”حاضر ہوں.... کوشش کرو....!“ عمران اس کو چڑانے والے انداز میں بولا۔

”مجھے نہتا نہ سمجھنا.... آج بھی تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔!“ کرنل بولا۔

”غلط فہمی کا شکار ہو....!“ عمران اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ ”پیچھے دیکھو.... اسٹیمر کو بحری فوج کی لانچوں نے محاصرے میں لے لیا ہے۔ اب وہ صرف میرے ایک اشارے کے منتظر ہیں۔ اس وقت تمہارا کوئی مددگار دور دور تک نہیں پھٹک سکتا۔“

ایک لمحے کے لئے کرنل ہوریشیو کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نمودار ہوئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ پُرسکون نظر آنے لگا۔

اچانک ہیلی کوپٹر کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ عمران یہی سمجھا کہ بحری فوج ہر طرف سے حرکت میں آگئی ہے۔ سمندر پر بھی اور فضا میں بھی.... ہیلی کوپٹر وہاں آکر اسٹیمر کے عرشے پر معلق ہو گیا جہاں عمران کھڑا تھا اور کرنل ہوریشیو وھیل چیئر پر بیٹھا تھا۔ دونوں نے بیک وقت ہیلی کوپٹر کو دیکھا تھا۔

دفعتاً عمران چونک پڑا اُن کے سروں پر معلق ہونے والا ہیلی کوپٹر بحریہ سے تو ہرگز تعلق نہیں رکھتا تھا۔

عمران نے بے اعتباری سے کرنل ہوریشیو کی جانب دیکھا۔ کرنل کی آنکھوں میں تمسخر جھانک رہا تھا۔

عمران ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

”میں کہیں بھی بے بس نہیں ہو سکتا۔!“ کرنل نے اُس کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھا۔

اُدھر ہیلی کوپٹر سے سیڑھی لٹکا دی گئی جو کرنل کے سر پر کافی اونچائی پر آکر ٹھہر گئی تھی۔ عمران کی آنکھوں میں جھنجھلاہٹ کے آثار نمایاں تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر بحری فوج کے ہیلی کوپٹر کہاں رہ گئے۔

اچانک کرنل ہوریشیو نے اس کی طرف دیکھ کر دیوانہ وار قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”دیکھو.... میں جا رہا ہوں۔!“

یہ کہہ کر اس نے کرسی کے ہتھے میں لگا ایک بٹن پش کیا اور کرسی کی سیٹ کرنل کے لئے فضا میں اچھل گئی۔ جونہی کرنل ہیلی کوپٹر کی سیڑھی تک پہنچا اس نے دونوں ہاتھوں سے سیڑھی تھام لی۔

عمران سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی ایسا واقعہ بھی پیش آجائے گا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل بھی نہیں تھی کہ کرنل پر فائر ہی کر دیتا۔

اچانک لانچ کی سرچ لائٹس اوپر ہیلی کوپٹر پر ڈالی گئیں......خدا کی پناہ......عمران ٹھٹک کر رہ گیا۔ عجیب و غریب اور دل ہلا دینے والا منظر تھا.... کرنل ہوریشیو کی ٹانگیں کرسی ہی پر رہ گئی تھیں اور وہ ہاتھوں کے سہارے ہیلی کوپٹر کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ اُس کا آدھا دھڑ لٹک رہا تھا۔ لانچ پر موجود پائیلٹ بھی شائد اس نظارے میں محو ہو گیا تھا۔ ورنہ کرنل سمیت سیڑھی کھینچ لیتا تاکہ کرنل کو سیڑھی چڑھنا نہ پڑتی۔

کرنل ہیلی کوپٹر کی کھڑکی سے دو چار ہاتھ ہی رہ گیا تھا کہ عمران چونک پڑا وہ نکلا جا رہا تھا جس نے اُس کے ملک کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

دفعتاً عمران نے لانچ والوں کو کوئی اشارہ کیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے کئی لانچوں سے بہ یک وقت کرنل ہوریشیو پر فائر ہوئے نشانے صحیح لگے تھے۔ کرنل ہوریشیو کا جسم چیتھڑے چیتھڑے ہو کر فضا میں بکھر گیا تھا۔

بڑا ہی دل ہلا دینے والا منظر تھا۔

اسی وقت کئی ہیلی کوپٹرز کی گڑگڑاہٹ سنائی دی یہ تین فوجی ہیلی کوپٹرز تھے جنہوں نے کرنل ہوریشیو کے ہیلی کوپٹر کو جلد ہی چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔

”عمران خاموش تھا اور ابھی تک اوپر ہی دیکھے جا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسٹیمر اور لانچوں کا قافلہ ڈوک کی طرف روانہ ہو گیا۔

جیسے ہی اسٹیمر ڈوک پر پہنچا ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ یہ دھماکہ بحری جہاز ”شرگل“ کے پھٹنے کا تھا۔

ریڈیو آپریٹر کے میک اپ میں جب عمران ”شرگل“ پر گیا تھا تب ہی شاید وہ وہاں ایک ٹائم بم رکھ آیا تھا اور اب جہاز اپنے اسلحے سمیت پھٹ کر تباہ ہو گیا تھا۔

دوسرے دن بہت بڑے پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئی تھیں۔ کچھ کمزور دل سازشیوں نے خودکشی کرلی تھی۔

◆

سائیکو مینشن کے ساؤنڈ پروف آڈیٹوریم میں خاصی رونق دکھائی دے رہی تھی۔

عمران سمیت سارے ممبر موجود تھے۔

”آج پھر ان کے سہرہ بندھے گا۔!“ نعمانی نے عمران پر چوٹ کی۔

”اے.... جاؤ.... خواہ مخواہ....!“ عمران نے شرمانے کی بے مثال اداکاری کی۔

”ہم سب یہیں جھک مارتے رہے اور یہ حضرت پالا مار گئے۔!“ کیپٹن خاور ہنس کر بولا۔

اچانک مائیکروفون سے آواز آئی۔ سب ممبر ”اٹینشن“ ہو گئے۔ ایکس ٹو کی بھرائی ہوئی آواز آڈیٹوریم میں گونجنے لگی۔

”سازش کی کہانی اُس وقت سے شروع ہوئی ہے جب سابقہ حکومت کے ایک نام نہاد وفادار سیاستدان نے اُس حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی تھی جس نے اُسے سیاستدان کی حیثیت سے ملک میں ابھارا تھا۔ سازش کا انکشاف ہو جانے پر وہ ملک سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر اپنے پیچھے سازش کا بیج بو گیا تھا۔ اس سے قبل بھی ایک سازش گذشتہ سال جولائی میں پکڑی گئی تھی جس میں تقریباً چھ سو افراد ملوث پائے گئے تھے۔ اس سازش میں بھی ایسے ہی اعلیٰ افسران اور افراد شامل تھے جو نہ سابق حکومت کو پسند کرتے تھے اور نہ ہی موجودہ حکومت کو۔ وہ ایک خاص مکتبہ فکر کے افراد ہیں جو اپنی سربراہی میں کاروبار حکومت چلانا چاہتے ہیں۔ اُس سازش کا سراغ ان مخصوص ہتھیاروں کی مدد سے لگایا گیا تھا جو ایک سپر طاقت نے دیئے تھے۔ گذشتہ سازش کا جلد ہی قلع قمع کر دیا گیا تھا۔

موجودہ سازش کا سیٹ اپ ایک ایسے شخص نے تیار کیا تھا جو دونوں طاقتوں کو ڈبل کراس کر رہا تھا۔ وہ اپنے اس کام میں ماہر ترین شخص سمجھا جاتا تھا۔ وہ تھا کرنل ہوریشیو.... آپ لوگوں کو یاد ہو گا کہ قریباً چھ سال پہلے بھی اُس نے ہمارے ملک میں زبردست سازش کی تھی اور عمران کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا۔ اسلحے کی اسمگلنگ کا بادشاہ مانا جاتا تھا۔ مقدمہ چلنے سے پہلے ہی وہ جیل سے فرار ہو گیا تھا۔ سولہ سال پہلے اُس کے دونوں پاؤں کسی حادثے میں ضائع ہو گئے تھے اور اس نے مصنوعی پاؤں لگوا لئے تھے۔ لیکن اس نے ہاتھوں کے بل اپنا دھڑ اوپر اٹھا کر چلنے میں مہارت حاصل کرلی تھی۔

یہی مہارت جیل خانے سے فرار ہونے میں کام آئی تھی۔ اس نے ایک پہرے دار کو تیار کرلیا اور اسی کے توسط سے بدرو کے ذریعہ جیل سے فرار ہو گیا تھا۔ مفرور سیاستدان سے جب اُس کی ملاقات ہوئی تو اُس نے سیاستدان کو شیشے میں اتار کر اسلحے کی اسمگلنگ پر آمادہ کرلیا۔ مفرور سیاستدان دراصل اپنے ملک کا تختہ الٹ کر خود سربراہ بننے کا خواب دیکھتا رہا تھا۔ جب کرنل ہوریشیو پر اُس کی اس خواہش کا انکشاف ہوا تو اس کی دیرینہ فطرت عود کر آئی اور وہ اس کے لئے تیار ہو گیا کہ ایک سپر پاور اپنے مطلب کے آدمی کو حکمراں دیکھنا چاہتی ہے اور وہ مطلب کا آدمی مفرور سیاستدان ہی ہو سکتا ہے اسلحے کی اسمگلنگ بھی جاری تھی اور حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش بھی اندر ہی اندر پروان چڑھ رہی تھی اور ایسے تمام لوگ سازش میں شریک ہو گئے تھے جو در حقیقت موجودہ حکومت کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ بہت خفیہ طور پر ان سب کو مسلح کیا جارہا تھا۔ اس بار مسلح بغاوت سرحدی علاقوں سے شروع ہونے والی تھی۔ لہٰذا کرنل ہوریشیو کی کوشش تھی کہ کسی طرح ہم سب کو معمولی معمولی جرائم میں الجھائے رکھا جائے اس طرح ہم سرحدی علاقوں سے دور رہ سکتے تھے اور وہ خاموشی سے اپنا کام کر سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ اُس کے پاس کام کے آدمیوں کی بھی کمی تھی۔ اس لئے وہ انہیں ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ جب مسلح بغاوت کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے اور صرف ایک رات درمیان میں رہ گئی تو کرنل ہوریشیو مفرور سیاستدان کے ہمراہ اسلحے کی آخری کھیپ لے کر خود آیا تھا تاکہ اس مسلح بغاوت کی کمان سنبھال سکے۔ سازش کی اس کہانی میں وہی "ادھورا آدمی" آخری آدمی بھی ثابت ہوا۔ اس سازش کے انکشاف کا سہرہ بھی عمران کے سر جاتا ہے۔ میں بھی اس دور دراز علاقے میں بھیڑ بھاڑ نہیں چاہتا تھا اُسے دھوکے میں رکھ کر مارنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کا وجود بہت بڑا خطرہ بنتا چلا جارہا تھا۔ وہ مشرق سے مغرب تک پوری پٹی کو جنگ کی آگ میں جھونکنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ تیسری عالمی جنگ جلد از جلد چھڑ جائے تاکہ دنیا اپنے انجام کو پہنچ جائے۔ اس معاملے میں وہ ہٹلر کے انداز میں سوچنے لگا تھا کہ بس صرف اُسی کی قوم کو دنیا میں جینے کا حق ہے باقی دنیا کو ختم ہو جانا چاہئے.... اوور اینڈ آل....!"

اچانک مائیکروفون سے آواز آنا بند ہو گئی۔

◆

عمران دونوں ہاتھوں سے کان بند کئے سر جھکائے بیٹھا تھا اور تمام ورثا اس کے گرد حلقہ ڈالے اُسے یوں گھور رہے تھے جیسے اس کا دماغ الٹ گیا ہو۔ اُس نے بات ہی ایسی کہہ دی تھی۔ اس نے جیمسن، ظفر الملک اور جوزف کو شادی کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ سب طوطوں کی طرح اُس کے گرد بیٹھے اُسے ٹکر ٹکر دیکھے جارہے تھے۔ سلیمان کے ساتھ گلرخ بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔

"مجھے تو بے وقوف سمجھتے ہیں.... بلکہ دشمن بھی۔!" سلیمان دیدے نچا کر بولا۔ "ہمیشہ کہا تیا سوٹ پہن کر کہیں نہ جایا کیجئے پہلے مجھے پہنا لیا کریں۔ جو آفت اور بلا چپٹنا ہو گی مجھے چپٹ جائے گی خود تو محفوظ رہیں گے۔ نیلا سوٹ پہن کر گئے تھے۔ کسی خبیث رُوح کا سایہ ہو گیا ہے۔ تب ہی تو بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔!"

"ابے تجھ سے بڑی خبیث روح کون ہو گی۔!" عمران کراہتا ہوا بولا۔

"باس.... سلیمان ٹھیک کہتا ہے۔!" جوزف نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"ہاں.... ہاں.... تو کیوں نہ اس کی "ہاں میں ہاں" ملائے گا۔ نئے نئے جہانوں کی سیر جو کراتا ہے تجھے۔!" عمران کسی چڑچڑی عورت کی طرح دانت پیس کر بولا۔ "خیر کچھ بھی کہو یہ میرا حکم ہے۔ تم سب کو شادی کرنا ہو گی۔!" اور پھر جیمسن کو مخاطب کیا۔ "کیوں؟" ابوال جمان "تمہارا کیا خیال ہے۔ عربی عورت کیسی رہے گی؟.... ر.... ض.... ع.... بھی ٹھیک ہو جائے گی۔!"

"کسی بدو عورت سے شادی کرا دیجئے.... ساری عمر سر پکڑ کر روئے گا۔!" ظفر نے جیمسن کو چڑھانے والے انداز میں کہا۔

"نہ.... نہ.... ہر گز نہیں۔!" سلیمان درمیان میں بول پڑا۔ "صاحب انہیں مرنے کا مشورہ مت دیجئے۔!"

"ابے.... شادی کرنے سے مرجانے کا کیا تعلق....؟" عمران حیرت سے بولا۔

"بہت بڑا تعلق ہے.... شادی کے بعد ہی تو موت سامنے بیٹھی نظر آنے لگتی ہے۔!" سلیمان گلرخ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

گلرخ نے دیکھ لیا تھا.... مگر خاموش رہی۔ جوزف کی موجودگی میں تو سلیمان کی مرمت کر لیتی تھی مگر جیمسن اور ظفر الملک کے سامنے اس سے لڑنے میں بہرحال اُسے تامل کرنا پڑتا تھا۔

"مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ شادی کے بعد مرد کو ہی مرنا پڑتا ہے۔!" سلیمان نے فلسفانہ انداز میں گردن ہلا کر کہا۔

"وہ کیسے....؟" عمران سمیت سب نے یک زبان ہو کر پوچھا۔

"دیکھئے! بلکہ سمجھئے....! شوہر مر جاتا ہے بیوی زندہ رہتی ہے۔ سسر مر جاتا ہے تو ساس زندہ موجود.... باپ مر گیا ماں زندہ.... دادا مرا دادی زندہ.... نانا مرا نانی سلامت.... پھوپھا مرا پھوپھی بقید حیات.... خالو مرا خالہ صحت مند.... بھائی مرا بھاوج زندہ.... مرد بے چارا جس رشتے کو اختیار کرتا ہے مر جاتا ہے۔ حادثوں.... جنگوں اور بیماریوں میں مرنے والے الگ رہے۔!" سلیمان انگلیوں پر گن کر بولا۔

"ابے.... واہ.... تو تو واقعی بڑا عاقل و بالغ ہو گیا ہے۔ مجھے تو کبھی خیال ہی نہیں آیا۔!" عمران حیرت زدہ ہو کر بولا۔

"صاحب.... میں تو یہ بھی سوچنے لگا ہوں کہ اگر مردوں کے مرنے کی یہی رفتار رہی تو سو سال بعد دنیا میں مردوں کا مستقبل کیا ہو گا....؟"

"تو اس کی بالکل فکر نہ کر....!" عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ہر مرد اپنے گھر کے طاق میں بیٹھا دکھائی دے گا۔ محض اس وجہ سے کہ عورتوں کو یاد رہے کہ کبھی اللہ نے یہ مخلوق بھی دنیا میں پیدا کی تھی۔ یادگار کے طور پر رکھ لئے جائیں گے۔!"

"اے صاحب جی....!" گلرخ ہنس کر بولی۔ "سو سال کس نے دیکھے ہیں۔ میں تو کل ہی اسے طاق میں بٹھا کر جالی کا پردہ ڈال دوں گی اور صبح و شام ایک چراغ بھی جلایا کروں گی۔!"

"لے.... تیرے مستقبل کا فیصلہ تو ابھی ہو گیا۔!" عمران ہنس کر بولا۔

"ٹھیک ہے....!" سلیمان دانت پیس کر گلرخ سے بولا۔ "مرنے کے بعد شیخ سدو بن کر تیرا گلا دباؤں گا۔!"

"ابے جا.... زندگی میں تو گلا دبا نہ سکا.... مر کے دبائے گا۔!" گلرخ منہ بنا کے بولی۔

"اچھا.... بھاگو.... یہاں سے۔!" عمران جماہی لے کر بولا۔

"بہت تھک گیا ہوں اب سونا چاہتا ہوں.... گہری نیند....!"

(ختم شد)